

بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ پاکستان ۲۰۲۰ء

خلاصہ

آئین کی رو سے مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ لازم ہے کہ تمام قوانین اسلام کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی پسند کے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی ترویج کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ آئین یہ بھی واضح کرتا ہے کہ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) غیر مسلم ہیں۔ عدالتیں توہین رسالت ﷺ اور دیگر متعلقہ قوانین کا نفاذ جاری رکھے ہوئے ہیں، جن کی خلاف ورزی پر عمر قید سے لے کر موت تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ سول سوسائٹی کی رپورٹس کے مطابق گزشتہ سال متعدد افراد کو توہین مذہب کے الزامات کے تحت جیل بھیجا گیا جن میں سے پینتیس افراد کو سزائے موت سنائی گئی۔ اس کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں توہین مذہب کے الزام میں ۸۲ لوگ گرفتار ہوئے اور ۲۹ کو موت کی سزا سنائی گئی۔ سینٹر فار سوشل جسٹس کے مطابق، جو کہ قومی غیر سرکاری تنظیم ہے، ۲۰۱۹ء سے لیکر ۱۹۹ ملزمان کو توہین مذہب کے مقدمات کا سامنا تھا، جو گزشتہ سال کی نسبت نمایاں اضافہ ہے اور ملکی تاریخ میں کسی ایک سال کے دوران توہین رسالت کے الزامات کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ ملزمان میں سب سے زیادہ یعنی ستر فیصد شیعہ اور بیس فیصد احمدی شامل تھے۔ دیگر این جی اوز نے بھی ۲۰۲۰ء میں توہین مذہب کے الزامات میں اضافہ ہونے کے بیان سے اتفاق کیا ہے۔ غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) نے مذہبی اقلیتوں، خاص طور پر شیعہ برادری، کے خلاف توہین مذہب کے الزامات میں اضافے پر تشویش کا اظہار کیا، جس کے باعث فرقہ وارانہ تشدد کے خطرات منڈلاتے رہے۔ تنظیم کے مطابق صرف اگست میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب کے چالیس مقدمات درج کیے گئے۔ اکتوبر میں لاہور ہائی کورٹ نے ایک عیسائی شہری کو توہین رسالت کے الزام سے بری کیا، جو کہ ۲۰۱۸ء کے بعد سے اس نوعیت کا پہلا فیصلہ تھا۔ عدالت نے دسمبر میں ایک اور عیسائی شہری کو بھی رہا کیا۔

احمدی طبقے کے رہنما مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ امتیازی اور مبہم قانون سازی اور عدالتی فیصلوں کی وجہ سے اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے ۲۰۱۸ء کے ایک فیصلے کا حوالہ دیتے ہیں جس کی رو سے کچھ سرکاری ادارے قادیانی احمدیوں کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنے سے گریزاں ہیں۔ مئی میں کابینہ نے وزارت مذہبی امور کے ماتحت قومی کمیشن برائے مذہبی اقلیتیں تشکیل دینے کے مسودہ کی منظوری دی۔ مذہبی آزادی کے کارکنوں اور سول سوسائٹی کے ارکان نے مسودہ کو بیکار قرار دیتے ہوئے وزارت کی جانب سے عوامی مشاورت کا اہتمام نہ کرنے، مجوزہ کمیشن کے محدود اختیارات اور احمدیوں کی عدم شمولیت پر تشویش کا اظہار کیا۔ ملک کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب کی حکومت نے احمدیوں کے خلاف متعدد اقدامات کی منظوری دی۔ سارا سال بعض سرکاری حکام اور سیاست دان احمدیوں کے خلاف اکسانے والی تقاریر میں شرکت کرنے اور تقاریر کرنے میں مصروف رہے۔ جولائی میں ایک امریکی شہری طاہر نسیم، جو خود کو احمدی کہلاتا تھا اور اس کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ چل رہا تھا، کے قتل پر بعض سیاسی رہنماؤں نے جشن منایا۔ نومبر میں حکومت کی جانب سے تفویض کردہ وسیع اختیارات کے تحت اگلے ہی ماہ دسمبر میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے گوگل پلے اسٹور اور وی بی ڈی سے توہین آمیز مواد ہٹانے کا سرعام مطالبہ کیا۔ این جی اوز اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ اکثر و بیشتر حکام رد عمل کے

خوف، افرادی قوت کی کمی یا عدم دلچسپ کے باعث مذہبی اقلیتوں کے خلاف سماجی سطح پر تشدد داروان کی توہین کرنے والوں کے خلاف مؤثر اقدامات اٹھانے میں ناکام رہے۔ مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور زیادتیوں کے مرتکب لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عدم دلچسپی، ملزمان کی طرف سے رشوت کی پیشکش اور متاثرہ افراد پر مقدمات واپس لینے کے دباؤ کی وجہ سے قانون کی زد میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ تاہم حکومت نے مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے بعض اقدامات اٹھائے۔ ۲۶ جنوری کو سندھ کے ضلع تھرپارکر میں ایک عدالت نے ہندو مندر پر دھاوا بولنے والے چار لڑکوں کو سزا دی۔ یہ مذکورہ علاقے میں کسی ہندو مندر پر تیس سال کے عرصے میں ہونے والا پہلا حملہ تھا۔ عوامی نمائندوں اور اقلیتی قانون سازوں نے حملے کی شدید مذمت کی۔ جولائی میں مذہبی جماعتوں اور دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں نے اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کی اجازت دینے کے سرکاری فیصلے کی مخالفت کی۔

لشکر جھنگوی، تحریک طالبان پاکستان، شیعہ مخالف کالعدم سپاہ صحابہ پاکستان، حکومت کی طرف سے انتہا پسندی کی وجہ سے کالعدم قرار دی جانے والی تنظیموں اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور دیگر حکومتوں کی طرف سے دہشت گرد قرار دی جانے والی تنظیموں سے منسلک مسلح فرقہ وارانہ گروہ شیعہ مسلمانوں، خاص طور پر شیعہ ہزارہ کمیونٹی کو نشانہ بناتے رہے ہیں۔ تاہم ایس اے ٹی پی کے مطابق گذشتہ برسوں کے مقابلے میں مسلح فرقہ وارانہ گروہوں کے حملوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں میں کمی واقع ہوئی۔ جبکہ مجموعی طور پر دہشت گردی کے واقعات میں بھی کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ حکومت دہشت گردی کے خلاف نیشنل ایکشن پلان پر عمل پیرا ہے جس کے تحت انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ نفرت انگیز تقاریر پر پابندی ہے اور دہشت گرد تنظیموں کے خلاف فوج اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کی کاروائیاں جاری ہیں۔ سول سوسائٹی کے کئی گروپوں اور اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت نے مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوششیں تیز کر دی ہیں، کیونکہ گذشتہ برسوں کے دوران ان عبادت گاہوں کو توڑنے سے نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ مذہبی رہنماؤں کی مشاورت سے پولیس اور دیگر سیکورٹی اداروں نے ملک بھر میں مذہبی تعطیلات کے دوران اضافی حفاظتی اقدامات اٹھائے۔

پورا سال نامعلوم افراد ہزارہ کمیونٹی کے لوگوں سمیت شیعہ مسلمانوں اور احمدیوں کو مذہبی بنیادوں پر حملے کر کے قتل کرتے رہے۔ پشاور کی عدالت میں طاہر نسیم کے قتل کے بعد بھی احمدیوں پر حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بارہ اگست کو پشاور میں ایک احمدی تاجر اور اکتوبر میں ایک احمدی پروفیسر نعیم الدین خٹک کو قتل کیا گیا۔ ۹ نومبر کو پشاور میں بس کے انتظار میں کھڑے بیاسی سالہ احمدی فریقے کے ایک شخص کو نامعلوم افراد نے قتل کر دیا۔ حملہ آوروں کے منظم گروہوں کے ساتھ تعلقات واضح نہیں تھے۔

انسانی حقوق کے کارکنوں نے توہین رسالت ﷺ کے الزامات پر پُر تشدد کاروائیوں، مختلف افراد کی طرف سے مذہبی اقلیتوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے، انہیں ہراساں کرنے، امتیازی سلوک کا نشانہ بنانے، اور مختلف مذہبی اقلیتوں کے اراکین کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے کئی واقعات کی نشاندہی کی۔ ستمبر میں کراچی میں سنی تنظیموں کی تین بڑی ریلیوں میں کی جانے والی تقاریر میں توہین صحابہ کے مرتکب شیعہ افراد کو سرتن سے جدا کرنے سمیت سنگین سزاؤں کی دھمکیاں دی گئیں۔ این جی اوز نے مذہبی اقلیتوں خاص طور پر ہندو اور عیسائی لڑکیوں کو اغواء کرنے، انہیں زبردستی

مسلمان بنانے اور اُن کی مرضی کے خلاف اُن سے شادی کرنے کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہندوؤں، عیسائیوں اور قادیانی احمدی اقلیتوں کے مقدس مقامات، قبرستانوں اور مذہبی شعائر پر حملوں میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا۔ قادیانی احمدی سول سوسائٹی تنظیموں کے مطابق حکومت احمدیوں کے خلاف حملوں پر آکسانے والی تقاریر یا اشتہارات پر پابندی لگانے میں ناکام رہی ہے۔ جبکہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت ایسا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیمیں مذہبی اقلیتوں کی سلامتی کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار کرتی رہی ہیں۔

امریکی محکمہ خارجہ کے سینئر حکام، بشمول مذہبی اقلیتوں کیلئے انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم کے خصوصی مشیر، ناظم الامور، قونصل جنرل اور سفارت خانہ کے دیگر اہلکاروں نے توہین مذہب کے قانون میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، مذہبی اقلیتوں کے بہتر تحفظ، مسلکی تعلقات اور مذہبی احترام جیسے معاملات پر بات چیت کیلئے حکومتی افسران اور وزیراعظم کے سینئر مشیروں، جن میں وزیر برائے انسانی حقوق، قانون و انصاف، امور خارجہ، داخلہ، وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت اور وزارت مذہبی امور اور مذہبی ہم آہنگی کے حکام شامل ہیں، کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ سفارتخانہ کے حکام نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، مقامی مذہبی اکارین، مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں اور ماہرین قانون کے ساتھ مسلسل ملاقاتیں کر کے عدم برداشت کے خاتمہ، مذہبی رواداری کے فروغ اور مذہبی آزادیوں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی عہدیداروں نے مذہبی اقلیتی نمائندوں، ارکان پارلیمنٹ، انسانی حقوق کے کارکنوں اور وفاقی کابینہ کے ممبران کے ساتھ ملاقاتوں میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ روار کھے جانے والے سلوک، توہین رسالت ﷺ قوانین کے نفاذ اور مذہب کی بنیاد پر روار کھے جانے والے دیگر امتیازات پر اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ سفارتخانہ نے سارا سال مذہبی آزادی اور باہمی احترام کے حوالے سے امریکہ میں ہونے والی مباحث پر مشتمل مواد سوشل میڈیا پر اجاگر کیا۔ خیرپور، حیدرآباد اور کراچی میں امریکی حکومت کے ثقافتی مراکز نے مذہبی ہم آہنگی کے فروغ پر مشتمل تقاریر کی میزبانی کی۔ محکمہ خارجہ نے طاہر نسیم کی ہلاکت کے موقع پر بیان جاری کرتے ہوئے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا اور کہا کہ بعض افراد طاہر نسیم کو جھانسدیکر امریکہ میں اس کے گھر سے اپنے ساتھ لے گئے اور بعد ازاں اسے توہین مذہب کے قوانین کے تحت پھنسا دیا گیا۔ بیان میں حکومت پاکستان پر توہین مذہب کے قوانین میں ترمیم اور عدالتی نظام میں اصلاحات اور قاتل کو قانون کے مطابق سزا یقینی بنانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ احمدی ڈاکٹر طاہر نسیم کے قتل کے بعد بین الاقوامی مذہبی آزادی کے سفیر نے سرکاری ٹویٹ جاری کرتے ہوئے حکومت پاکستان پر اپنے تمام شہریوں کا تحفظ یقینی بنانے کا مطالبہ کیا۔

دودھ سبھ کو وزیر خارجہ نے ۱۹۹۸ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم ایکٹ کے تحت دوبارہ پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کے حوالے سے ”خصوصی تشویش رکھنے والا ملک“ قرار دے دیا، جو ان خلاف ورزیوں میں ملوث تھایا ان پر خاموش رہا۔ انھوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اہم قومی مفادات کے پیش نظر پاکستان پر عائد کی جانے والی پابندیوں کے عدم اطلاق کا اعلان کیا۔

حصہ اول: مذہبی آبادی کے اعداد و شمار

امریکی حکومت کا اندازہ ہے کہ ۲۰۲۰ء کے وسط تک پاکستان کی کل آبادی ۲۳ کروڑ ۴۴ لاکھ تھی۔ ۲۰۱۷ء میں ہونیوالی مردم شماری کے ابتدائی اندازے کے مطابق ملک کی چھپانے والے فیصد آبادی سنی یا شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کی رو سے ملک کی بقیہ چار فیصد آبادی احمدیوں، جو قانون کی رو سے مسلمان نہیں ہیں، ہندوؤں، عیسائیوں (جن میں دیگر کے علاوہ رومن کیتھولک، اینجلیکن اور پروٹسٹنٹس شامل ہیں)، پارسیوں، بہائیوں، سکھوں، بدھ مت کے ماننے والوں، کیلاش، کیہال، اور جین مت کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔

مختلف ذرائع کے درمیان سنی اور شیعہ مسلمانوں کی درست تعداد کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ اسی سے پچاسی فیصد آبادی سنی مسلمان جبکہ پندرہ سے بیس فیصد ہزارہ، اسماعیلی اور بوہرہ شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی اقلیتی گروہوں کی آبادی کے حوالے سے غیر سرکاری اندازے ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف ہیں۔ مذہبی اقلیتی نمائندوں کے مطابق ملک کی تین سے پانچ فیصد آبادی خود کو سنی اور شیعہ مسلمانوں سے الگ شناخت کی حامل سمجھتی ہے۔ ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق ایک اعشاریہ چھ فیصد آبادی ہندو، ایک اعشاریہ انسٹھ فیصد عیسائی، صفر اعشاریہ بائیس فیصد احمدی اور صفر اعشاریہ تیس فیصد بہائی، سکھ اور پارسی سمیت دیگر اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ احمدیوں کی جانب سے سرکاری مردم شماری کے بائیکاٹ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس اقلیتی گروہ کے ذرائع کے مطابق قادیانی احمدیوں کی آبادی پانچ سے چھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ بلوچستان میں مقیم ذکریوں کی تعداد پانچ سے آٹھ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے لئے کام کرنے والے کئی گروپوں کے مطابق ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے عبوری اعداد و شمار میں اقلیتوں کی اصل آبادی کو ان کے سیاسی اثر و رسوخ کو گھٹا کر پیش کیا گیا ہے کیونکہ مردم شماری کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کیلئے نشستیں مختص کی جاتی ہیں۔

حصہ دوم۔ مذہبی آزادی کے بارے میں حکومت کا رویہ

قانونی ڈھانچہ

آئین کے تحت مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ لیکن اس آئین میں یہ بھی لکھا ہے کہ قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر شہری کو اپنے مذہب کے انتخاب، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا حق حاصل ہے۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو تعزیری قوانین میں تصریح شدہ اسلام کی شاندار روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آزادی اظہار رائے حاصل ہے۔ ان قوانین کی رو سے توہین رسالت ﷺ کا جرم ثابت ہونے پر سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید کی بے حرمتی پر عمر قید اور کسی دوسرے فرد کے مذہبی عقائد کی توہین پر دس سال قید بامشقت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ تحریر و تقریر یا کسی اور طریقے سے مذہبی منافرت پھیلانے کے جرم کی سزاسات سال قید ہے۔ برقی ذرائع پر جرائم کی روک تھام کے قانون مجریہ ۲۰۱۶ء کے تحت وزارت مذہبی امور اور بین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے کہ وہ انٹرنیٹ کی ٹریفک پر نظر رکھے اور توہین یا فساد پھیلانے والے مواد کے بارے میں

پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن اتھارٹی کو اس مواد کو ہٹانے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) کو اس کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف ممکنہ قانونی کارروائی کرنے کیلئے کہے۔

آئین کے مطابق ”مسلمان“ وہ ہے جو اللہ رب العزت کی وحدانیت اور محمد ﷺ کے آخری پیغمبر اور رسول ہونے پر پختہ یقین رکھے۔ اور کسی فرد کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور جو محمد ﷺ کے بعد نبی یا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اس کو تسلیم نہ کرے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جو افراد عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ مت، پارسی، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (یہ دونوں گروہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا بہائی اور وہ لوگ جو مخصوص برادریوں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سب غیر مسلم ہیں۔

آئین اور تعزیرات پاکستان میں واضح طور پر درج ہے کہ قادیانی احمدی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہلوا سکتے نہ ہی وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ تعزیرات پاکستان کے تحت ”احمدی یا قادیانی“ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر متعارف نہیں کروا سکتے، نہ ہی اسلامی اصطلاحیں استعمال کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی طور طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ قادیانی اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے نہ ہی وہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کر سکتے ہیں۔ ان جرائم کی سزا تین سال قید اور جرمانہ ہے یا پھر سزا کا تعین جج کو حاصل اختیارات کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ تعزیرات پاکستان میں ارتداد کو بطور خاص جرم نہیں قرار دیا گیا لیکن علماء کے نزدیک اسلام قبول کر کے ترک کرنا تو بین مذہب کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ حکومت دہشت گردی کی کاروائیوں، تحریر و تقریر کے ذریعے مذہبی منافرت پھیلانے یا توہین رسالت ﷺ جیسے سنگین جرائم کے خلاف مقدمات چلانے کے لیے ۱۹۹۷ء کے انسداد ہتھنگردی ایکٹ کے تحت قائم شدہ متوازی عدالتوں کو بھی استعمال کر سکتی ہے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ کسی شخص کو اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی کسی تقریب یا عبادت میں شرکت کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

آئین ”مذہبی اداروں کا انتظام و انصرام“ کرنے کی آزادی دیتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور انہیں برقرار رکھنے میں آزاد ہیں۔ آئین کے مطابق کسی شخص کو اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ یا اس کے اداروں کو قائم رکھنے کے لئے ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت بینکوں میں بچت کھاتے رکھنے والے سنی مسلمانوں سے لازمی طور پر ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ (شرعی ٹیکس) وصول کرتی ہے۔ اس طرح جمع ہونے والی رقم ایک سرکاری خیراتی ادارے کے ذریعے غریب گھرانوں کی امداد، طلبہ کے تعلیمی اخراجات، ضرورت مندوں کے علاج معالجے اور سرکاری اداروں کے ساتھ رجسٹرڈ ہونے والے سنی مدارس اور مساجد پر صرف کی جاتی ہے۔ جو سنی مسلمان اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کرنے کے خواہاں ہوں وہ اس کٹوتی سے استثنیٰ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں جبکہ شیعہ مسلمان متعلقہ فارم میں اپنے عقیدے کا اظہار کر کے اس کٹوتی سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔

آئین کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اسلام کی اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے میں مدد دینے کے لئے ضروری اقدامات اٹھائے۔ آئین مملکت کو پابند کرتا ہے کہ وہ عشر، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور مساجد کا انتظام بطریق احسن کرے۔

حج اور دیگر اسلامی زیارات کے لئے جملہ انتظامات کرنا وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی تعلیمات اور توہین رسالت ﷺ جیسے امور کے بارے میں بھی سرکاری حکام اسی وزارت سے رجوع کرتے ہیں۔ یہی وزارت نادار اقلیتوں کی امداد، اقلیتی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور مرمت، اقلیتوں کے لئے چھوٹے پیمانے پر ترقیاتی منصوبوں، اقلیتی تہواروں اور اقلیتی طلبہ کے وظائف پر ہونے والے اخراجات کی بھی ذمہ دار ہے۔ قانون کی رو سے اسلام یا کسی بھی پیغمبر پر تنقید نہیں کی جاسکتی نہ ہی قادیانی احمدی اپنے مذہب کے بارے میں کوئی مواد فروخت کر سکتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے ہٹارے کے وقت اقلیتوں کی جو جائیدادیں متروک ہو گئی تھیں، ان کی دیکھ بھال متعلقہ صوبوں اور وفاق کی قانونی ذمہ داری ہے۔

آئین میں لکھا ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم شخص کو اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تعلیم کے حصول پر نہ تو مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی مذہبی تقریب میں شرکت کرنے کا پابند ہوگا۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہبی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم فراہم کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

آئین کی رو سے سرکاری تعلیمی اداروں میں تمام مسلمان طلبہ کو اسلام کی تعلیم دینا حکومت پر لازم ہے۔ اگرچہ دیگر مذاہب کے طلبہ پر اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنا لازمی نہیں ہے لیکن تعلیمی اداروں میں ان کے اپنے مذہبی عقائد کی تعلیم بہم پہنچانے کا انتظام نہیں ہے۔ تاہم کچھ سکولوں میں غیر مسلم طلبہ اسلامیات کی جگہ اخلاقیات کا مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو اپنے خرچ پر نجی سکولوں میں پڑھا سکتے ہیں۔ پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا کے صوبوں میں نجی سکولوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمان طلبہ کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دیں۔

قانون کی رو سے مدارس فرقہ وارانہ تعلیم دینے یا منافرت پھیلانے اور تشدد پر اکسانے میں ملوث نہیں ہونگے۔ مذہبی تعلیم کے ذمہ دار وفاق (خود مختار تعلیمی بورڈز) ہیں، جو کہ مدارس کی رجسٹریشن، نصاب کے تعین اور اسناد جاری کرنے کے مجاز ہیں۔ ملک میں رائج پانچوں مکاتب فکر یعنی بریلوی، دیوبندی، شیعہ، اہلحدیث اور جماعت اسلامی، جو انتہائی قدامت پسند خیال کی جاتی ہے، کی نمائندگی پانچ وفاق المدارس کرتے ہیں۔ یہ تمام وفاق اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی چھتری تلے متحد ہیں اور حکومت کے ساتھ اپنے معاملات مل کر طے کرتے ہیں۔ تمام مدارس پر لازم ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک وفاق المدارس اور محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹر ہوں۔

آئین واضح طور پر کہتا ہے کہ ”تمام موجودہ قوانین کو قرآن مجید اور سنت (اسلام کے جملہ سماجی، قانونی اور عملی امور کی بنیاد) سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔ آئین میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسلام کی تعلیمات کے منافی ہو۔ آئین کہتا ہے کہ یہ اقدامات غیر مسلم

شہریوں کے ذاتی قوانین اور ان کی شہریت پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔ ان اقلیتوں کی شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق کچھ ذاتی قوانین تقسیم سے پہلے برطانوی راج کے زمانے میں وضع کئے گئے تھے۔

آئین کے تحت مسلمان ججوں پر مشتمل وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی ہے جس کا کام یہ دیکھنا ہے کہ کہیں کوئی قانون یا فیصلہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہے۔ آئین نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے طور پر قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے یا وہ کسی بھی شہری یا حکومت کی درخواست پر بھی یہ ذمہ داری سرانجام دے سکتی ہے۔ آئین کی رو سے حکومت اس عدالت کی ہدایات پر عمل درآمد کرنے کی پابند ہے۔ یہ عدالت حدود آرڈیننس کے تحت آنے والے بعض جرائم مثلاً عصمت دری، شراب نوشی، جوا وغیرہ سے متعلق ماتحت عدالتوں کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے کی بھی مجاز ہے۔ وفاقی شرعی عدالت ان مقدمات میں دی جانے والی سزائیں کم یا زیادہ بھی کر سکتی ہے۔ شرعی عدالت کا سزاؤں پر نظر ثانی کا یہ اختیار مقدمات میں ماخوذ مسلمان اور غیر مسلم ہر دو مجرمان پر لاگو ہوتا ہے۔ اگر غیر مسلم مجرم کسی مسلمان وکیل کی خدمات حاصل کر لے تو وہ عدالت میں پیش ہونے سے استثنیٰ لے سکتا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم یہ سمجھتا ہے کہ کوئی شرعی قانون یا اسلامی طریقہ کار اس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہے تو وہ وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ قانون کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں پر سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بیچ میں درخواست برائے نظر ثانی داخل کی جاسکتی ہے۔ مزید اپیل سپریم کورٹ کا فل بیچ دے سکتا ہے۔

آئین کے تحت مسلمانوں کو اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دینے اور سازگار ماحول تیار کرنے کے لئے پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی درخواست پر سفارشات تیار کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی ہے۔ آئین کو نسل کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ مقننہ اور انتظامیہ کی طرف سے مجوزہ قوانین کا جائزہ لے کہ آیا وہ اسلام کی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔

عام دیوانی قانون ازدواج کے حوالے سے مخصوص زبان کے حامل قانون کی عدم موجودگی کے باعث شادی کی دستاویزات پر دستخط متعلقہ مذہبی رہنما کرتے ہیں اور یہ شادیاں مقامی نکاح رجسٹرار کے ہاں درج ہوتی ہیں۔ سندھ ہندو میرج ایکٹ مجریہ ۲۰۱۶ء اور پورے ملک پر نافذ العمل ہندو میرج ایکٹ مجریہ ۲۰۱۷ء ہندو شادیوں کو قانونی جواز فراہم کرنے اور انہیں رجسٹر کرنے کے جملہ تقاضے پورے کرنے کے لئے متعارف کروائے گئے ہیں۔ ۲۰۱۷ء کے ایکٹ میں شناخت کی رجسٹریشن، طلاق، وراثت کے معاملات کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی یقینی بنایا گیا کہ اگر کسی شادی میں رضامندی زور زبردستی سے یا دھوکے سے حاصل کی گئی ہو تو اس شادی کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی ایک فریق ہندومت چھوڑ دے تو اس صورت میں بھی شادی ختم کی جاسکتی ہے۔ سندھ حکومت نے ۲۰۱۸ء میں ۲۰۱۶ء والے ایکٹ میں طلاق کی اجازت دینے اور طلاق یا شوہر کے انتقال کی صورت میں چھ ماہ بعد ہندو عورتوں کے دوبارہ شادی کرنے کی ترمیم کیں۔ ہندو میرج ایکٹ مجریہ ۲۰۱۶ء کا اطلاق سکھوں کی شادیوں پر بھی ہوتا ہے۔ پنجاب کا سکھ آئیند کراچ میرج ایکٹ مجریہ ۲۰۱۸ء مقامی یونین کونسل کے حکام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ سکھ مرد اور عورت کے درمیان ایک سکھ آئیند کراچ شادی رجسٹرار کی طرف سے کرائی جانے والی شادی کا اندراج کریں۔

بعض عدالتی فیصلوں میں اگر ایک غیر مسلم مرد اور غیر مسلم خاتون کی شادی ہو چکی ہو اور وہ خاتون اسلام قبول کر لے تو عدالت اس شادی کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے جبکہ دوسری جانب مرد اسلام قبول کرے تو اس کی شادی برقرار رہتی ہے۔

آئین کے تحت حکومت پر لازم ہے کہ وہ اقلیتوں کے قانونی حقوق اور مفادات کا تحفظ کرے اور بلا امتیاز تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ اور فرقہ وارانہ تعصبات کی حوصلہ شکنی کرے۔ آئین کسی بھی مذہبی اقلیت کے مذہبی ادارے پر ٹیکس عائد کرنے کے ضمن میں امتیازی سلوک سے روکتا ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق سرکاری اعانت سے چلنے والا ایک آزاد ادارہ ہے اور وہ اپنی رپورٹس پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں درخواستیں وصول کر کے تحقیق کرتا اور دادرسی کرتا ہے۔ یہ کمیشن حکومت کی طرف سے انسانی حقوق کے نفاذ کی نگرانی کرتا، قانون سازی کا جائزہ لیتا اور اس سلسلے میں تجاویز دیتا ہے۔ یہ کمیشن کسی حد تک عدالتی اختیارات کا حامل بھی ہے۔ اور یہ بعض صورتوں میں مقدمات پیروی کے لئے بھیجتا ہے لیکن اس کے پاس کسی کو گرفتار کرنے کا اختیار نہیں۔ ایک ترمیم کی رو سے مذہبی اقلیتوں سمیت جملہ اقلیتی امور صوبوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔

آئین کے مطابق کسی بھی فرد کو مذہب کی بنیاد پر کسی سرکاری ملازمت پر تعینات ہونے سے نہیں روکا جاسکتا بشرطیکہ وہ اس ملازمت کے لئے اہل ہو۔ وفاقی اور صوبائی سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کے لئے پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے، جن میں اکثر ہندو، عیسائی، سکھ، کیلاش اور پارسی شامل ہیں جبکہ شیعہ اور احمدی اقلیتیں شامل نہیں ہیں۔

آئین کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں مذہب کی بنیاد پر داخلہ دینے میں امتیازی سلوک روا رکھنے سے روکتا ہے۔ قواعد کی رو سے کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں داخلہ متعلقہ امیدوار کے حاصل کردہ نمبروں اور رہائشی صوبہ کی بنیاد پر ہوگا۔ تاہم ہر امیدوار کو درخواست فارم پُر کرتے وقت اپنے مذہب کے بارے میں بتانا ہوگا۔ یہی شرط نجی تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں داخلے پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ جو طلبہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ تحریری طور پر واضح کریں کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ رب العزت کا آخری پیغمبر اور رسول سمجھتے اور ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیر مسلم طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ ان کے مقامی مذہبی رہنما ان کی مذہبی وابستگی کی تصدیق کریں۔ قانون میں ملحدوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) نے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر مذہب کا اندراج کر رکھا ہے اور ہر دو کے لئے درخواست دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کا واضح طور پر بتائے۔ جو لوگ مذہب کے خانے میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوانا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلفیہ بیان دیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ رب العزت کے آخری پیغمبر اور رسول ہیں اور قادیانی مذہب کا بانی جھوٹا نبی اور اس کے ماننے والے کافر ہیں۔ ہر شخص کو اپنا مذہب بتانا ہوتا ہے، لادینیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچنے والے ہر شہری پر لازم ہے کہ وہ شناختی کارڈ بنوائے۔ یہ کارڈ ووٹ ڈالنے پینشن کی وصولی، سماجی اور مالی امداد کے پروگراموں سے مستفید ہونے اور دیگر خدمات کے لئے کارآمد ہوتے ہیں۔

آئین کی رو سے صدر مملکت اور وزیراعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اراکین پارلیمنٹ اور تمام اعلیٰ عہدیداروں پر لازم ہے کہ وہ مملکت کے اسلامی تشخص کے تحفظ کا حلف اٹھائیں۔ قانون کے تحت منتخب مسلمان نمائندوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے اور ختم نبوت پر ایمان رکھنے کا حلف اٹھائیں۔ یہ قانونی تقاضا احمدیوں کے منتخب ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ وہ ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے اور حضرت محمد ﷺ کے بعد بھی ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔

آئین کے تحت نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم اراکین کے لئے نشستیں مختص ہیں۔ ۳۲۲ کئی قومی اسمبلی میں دس نشستیں اقلیتی اراکین کے لئے رکھی گئی ہیں۔ جبکہ ایک سو چار کئی سینٹ میں اقلیتوں کے لئے چار نشستیں مختص ہیں۔ گویا ہر صوبہ سے ایک اقلیتی رکن سینٹ میں موجود ہو گا۔ صوبہ خیبر پختونخوا اسمبلی میں اقلیتوں کے لئے تین، پنجاب اسمبلی میں آٹھ، سندھ اسمبلی میں نو جبکہ بلوچستان اسمبلی میں تین نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ عمومی نشستوں پر منتخب ہونے والی سیاسی جماعتیں مذکورہ نشستوں کے لئے اپنے امیدوار منتخب کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ وہ اقلیتی ووٹروں کی توسط سے براہ راست منتخب ہو کر نہیں آتے

پاکستان شہری اور سیاسی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی معاہدہ (آئی سی سی پی آر) کا رکن ہے تاہم اس حوالے سے آئی سی سی پی آر کے دو تحفظات ہیں، اول یہ کہ مردوں اور عورتوں کے یکساں حقوق کا اطلاق شہریوں کے شخصی قوانین اور ۱۹۸۳ء کے قانون شہادت کے تحت ہو گا یعنی معاشرتی امور، جیسا کہ نکاح یا معاہدے اور مالیاتی ذمہ داریوں سے متعلق بعض دیوانی مقدمات میں عدالت کے سامنے پیش ہونے والے گواہوں میں مردوں کی گواہی کو خواتین کے مقابلہ میں زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ دوم بین الاقوامی معاہدہ کی شق ۲۵ کے مطابق کسی بھی شہری کو سرکاری عہدہ پر خدمات سرانجام دینے کا حق حاصل ہو گا لیکن پاکستان میں اُس کے برعکس آئین میں کہا گیا ہے کہ صدر مملکت اور وزیراعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حکومتی کارروائیاں

مقامی اور بین الاقوامی انسانی حقوق تنظیموں کے مطابق ہر عقیدہ کے پیروکاروں کو یکساں طور پر بعض پولیس اہلکاروں کے تشدد اور بدسلوکی کا سامنا رہا، تاہم بعض پولیس اداروں نے ترقیاتی نصاب میں انسانی حقوق کی آگہی شامل کر کے تدریسی اقدامات اٹھائے۔

جنوری کو لاہور میں انسداد دہشت گردی عدالت نے ۲۰۱۵ء میں دو مسلمانوں کو زندہ جلانے کے مقدمہ سے بیالیس افراد کو بری کر دیا۔ یہ قتل لاہور ۲۹ میں دو گر جاگھروں پر خودکش حملوں کے بعد رونما ہونے والے احتجاج کے دوران وقوع پذیر ہوئے۔

سول سوسائٹی کی رپورٹس کے مطابق توہین رسالت ﷺ کے الزام میں ۲۰۱۹ء میں قید بیاسی سزائے موت پانے والے انیتس افراد کی نسبت گزشتہ سال زیادہ افراد کو قید اور کم از کم پینتیس کو سزائے موت دی گئی۔ حکومت نے اب تک توہین رسالت کے جرم میں کسی کی سزائے موت پر عمل درآمد

نہیں کیا ہے۔ این جی او سینٹر فار جسٹس کی جانب فراہم کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق اس سال کے دوران میں حکام نے ۱۹۹ لوگوں کے خلاف توہین رسالت کے الزام میں مقدمات درج کئے ہیں۔ این جی او نمائندوں کا کہنا ہے کہ اصل میں مقدمات کی تعداد زیادہ تھی اور رپورٹنگ کی عدم دستیابی اور میڈیا کو رتق نہ ہونے کی وجہ سے ڈرست اعداد و شمار میسر نہیں تھے۔ سی ایس جے کے مطابق ۲۰۲۰ء میں ملکی تاریخ میں کسی بھی ایک سال کے دوران سب سے زیادہ توہین مذہب کے مقدمات درج کئے گئے ہیں۔ دیگر این جی او کا مؤقف ہے کہ گزشتہ سال توہین مذہب کے مقدمات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ شیعہ اور احمدی سب سے زیادہ مورد الزام ٹھہرائے گئے، جن پر بالترتیب ۷۰ اور ۲۰ فیصد مقدمات تھے، اُن کے بعد پانچ فیصد سُنی، ساڑھے تین فیصد عیسائی اور ایک فیصد ہندو ملزمان شامل ہیں۔

عدالتوں نے دو افراد کو سزائے موت اور ایک شخص کو پانچ سال قید کی سزا سنائی۔ توہین کے باقی مقدمات بدستور چل رہے ہیں۔ پی ای سی اے کے تحت ایک شخص پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ توہین رسالت پر مشتمل مواد سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلانے میں ملوث ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیمیں مسلسل کہہ رہی ہیں کہ توہین رسالت کے قوانین غیر مساویانہ طور پر مذہبی اقلیتوں کے اراکین کو متاثر کر رہے ہیں۔ توہین مذہب کے ملزمان پر بیک وقت دہشتگردی کے مقدمات درج کئے جاتے ہیں۔

این جی او ز اور اخباری اطلاعات کے مطابق ۲۰۱۴ء کے توہین رسالت کے مشہور مقدمات میں جن افراد کو سزا سنائی گئی تھی اُن میں ندیم جیمز، تیمور رضا، جنید حفیظ، مبشر، غلام اور احسان احمد، شفقت ایمانوئل اور شگفتہ کوثر بدستور جیلوں میں مقید اپنی ایپلوں کی سماعت کے منتظر تھے۔ ان مقدمات میں ججوں نے توہین رسالت سے سماعتیں ملتوی کیں اور دلائل سے بغیر نئی تاریخیں دیں یا ان ایپلوں کو دوسرے بچوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ سول سوسائٹی اور قانونی ذرائع کے مطابق یہ جج انتقامی حملوں کے خوف سے توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کا فیصلہ کرنے سے کتراتے ہیں۔

انسانی حقوق کے کارکنوں نے اہل تشیع کے خلاف توہین مذہب کے مقدمات اور الزامات میں اضافہ کی تصدیق کی۔ پانچ ستمبر کو ایچ آر سی پی نے مذہبی اقلیتوں خاص طور شیعہ برادری کے خلاف توہین رسالت کے مقدمات میں بڑھوتری پر اظہار تشویش اور ممکنہ فرقہ وارانہ تشدد پھوٹنے کا خدشہ ظاہر کیا۔ ایچ آر سی پی کے مطابق صرف اگست میں اس نوعیت کے چالیس مقدمات درج کئے گئے۔

تیس جنوری کو جنوبی سندھ کے شہر ٹنڈو محمد خان میں پولیس نے فیس بک پوسٹ کے ذریعہ توہین صحابہ کے الزام اور سنیوں کے جذبات مجروح کرنے کے الزام میں دو افراد کو گرفتار کیا۔ یکم اپریل کو سندھ کے شہر جامشورو میں پولیس نے شیعہ گلوکار ضامن علی کے خلاف ایک مقامی دکاندار کی شکایت پر توہین مذہب کا مقدمہ درج کیا کہ ضامن کے فیس بک پیج پر ایک توہین آمیز گیت موجود ہے جس سے سنیوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تاہم سال کے اختتام پر گواہی کی عدم دستیابی اور سول سوسائٹی کے دباؤ پر پولیس نے مقدمہ خارج کر دیا۔

اگست کی ۳۰ تاریخ کو، پولیس نے کراچی میں محرم الحرام کے جلوس کے دوران صحابہ کی توہین کے الزام میں شیعہ ذاکر تقی جعفر پر مقدمہ درج کیا۔ جعفر نے عربی میں کلمات ادا کئے جن کو ۲۴ نیوز پر نشر کیا گیا۔ بعض سنی گروہوں کی شکایت پر پیمرا نے ٹی وی چینل کی نشریات معطل کی اور جعفر کے اظہار خیال کو اشتعال انگیز قرار دیا۔ جعفر کی تقریر کے بعد ملک بھر میں شیعہ مخالف جلوس منعقد کئے گئے جن میں کراچی میں گیارہ اور تیرہ ستمبر سمیت ہزاروں افراد پر مشتمل تین بڑی ریلیاں شامل تھیں۔ مقررین نے توہین صحابہ رضہ کی صورت میں شیعہ افراد کو سنگین نتائج بشمول سرتن سے جدا کرنے کی دھمکیاں دیں۔

دس جون کو پولیس نے شاہ لطیف یونیورسٹی خیرپور کے پروفیسر ساجد سومرو کو توہین مذہب کے الزام میں حراست میں لیا، جس کے بعد سومرو کی رہائی کا مطالبہ کرنے والی سندھ یونیورسٹی کی پروفیسر عرفانہ ملاح پر بھی توہین مذہب کے الزام لگا کر معافی مانگنے پر مجبور کیا گیا۔ تاہم سال کے آخر میں سومرو کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا جبکہ مقدمہ عدالت میں زیر التواء تھا۔

قانونی مبصرین، اقلیتوں اور این جی اوز کا کہنا ہے کہ نجلی عدالتوں میں توہین رسالت کے مقدمات کی سماعت کے دوران میں گواہی کی بنیادی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور مقدمات کی سستی روی ملزمان کی طویل اور بعض اوقات سالوں پر محیط حراست کا سبب بنتی ہے جب تک کہ اعلیٰ عدلیہ نے ان کی سزا معطل نہیں کرتی۔ قانونی حقوق پر کام کرنے والے گروپوں کے مطابق بعض ماتحت عدالتوں نے خطرناک ماحول میں توہین مذہب کے مقدمات کی سماعت کی کیونکہ بعض توہین مخالف گروہ جیسا کہ تحریک لبیک پاکستان کی جانب سے ملزمان، وکیلوں، رشتہ داروں اور حمایتیوں کو دھمکیاں موصول ہوتی ہیں۔ دوسری جانب توہین رسالت کے مقدمات کی سماعت حفاظتی امور کے پیش نظر جیل کے اندر بھی کی جاتی ہے، جس کے باعث مقدمہ کی سماعت میں شفافیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ مبصرین کے مطابق ذیلی عدالتیں تشدد اور ہنگامہ آرائی کے خدشات کے باعث توہین مذہب کے مقدمات کی سماعت یا پھر ملزمان کو بری کرنے سے کتراتے ہیں۔ قانونی مبصرین کے مطابق جج اور میجسٹریٹ مشغول گروہوں کی جانب سے تشدد اور ہنگامہ آرائی کی وجہ سے مقدمات کی سماعت کو طول یا ملتوی کر دیتے ہیں۔

اگرچہ قانون کے مطابق یہ ضروری ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی کسی شکایت کے اندراج سے پہلے کوئی سینئر پولیس افسر اس الزام کی تحقیقات کرے۔ این جی اوز اور قانونی مبصرین کا کہنا ہے کہ اس قانونی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے معروضی تحقیقات کے نتیجے میں توہین رسالت کے کئی الزامات بے بنیاد ثابت ہو سکتے ہیں۔ کچھ این جی اوز کا کہنا ہے کہ پولیس اس طریقہ کار پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کرتی۔ کچھ مقدمات میں پولیس نے ملزمان کا چودہ دن کاریمانہ عدالت سے یہ کہہ کر حاصل کیا کہ ایک سینئر افسر تحقیقات کرے گا۔ لیکن یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات سینئر پولیس افسر کے بجائے نچلے درجہ کا پولیس افسر توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ دائر کر لیتے ہیں جبکہ سینئر افسر کے پاس بے بنیاد الزام مسترد کرنے کا زیادہ اختیار ہوتا ہے۔ این جی اوز کو یہ بھی شکایت ہے کہ پولیس پوری طرح تحقیقات نہیں کرتی۔ این جی اوز اور قانونی مبصرین کہتے ہیں کہ پولیس توہین رسالت کے جھوٹے الزام لگانے والے افراد کے خلاف کارروائی سے بھی احتراز کرتی ہے۔

سال کے دوران عدالتوں نے ایپلو کی بنیاد یا ملزمان کی برسوں تک حراست کے بعد بعض مقدمات میں توہین رسالت کے مقدمات خارج کر دیے۔ چھ اکتوبر کو لاہور ہائی کورٹ نے ۲۰۱۴ء میں توہین رسالت کے مقدمہ میں پھانسی کی سزا پانے والے ساون مسیح کی سزا معطل کر دی تاہم قتل کے خطرات کے پیش نظر ساون مسیح کو خاندان سمیت روپوش ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ ۲۰۱۰ء میں سزائے موت پانے والی آسیہ بی بی کی ۲۰۱۸ء میں رہائی کے بعد کسی بھی توہین رسالت کے ملزم کی پہلی رہائی ہے۔ پندرہ دسمبر کو لاہور ہائی کورٹ نے ایک اور عیسائی شہری عمران غفور مسیح کو بھی رہا کر دیا، جس کو ۲۰۱۰ء میں توہین رسالت صلعم کے الزام میں سزا ملی تھی۔ دوسری جانب عدالتوں نے توہین رسالت مخالف گروہوں کو سزا بھی دی، جیسا کہ جنوری میں انسداد دہشت گردی عدالت نے تحریک لبیک کے چھبیس کارکنوں کو آسیہ بی بی کی رہائی کے بعد پُر تشدد مظاہروں میں شرکت پر ۵۵ سال قید کی سزا دی۔

توہین رسالت ﷺ کے الزامات پر مختلف افراد کے خلاف ہونے والی ہنگامہ آرائی کے کئی واقعات میں پولیس نے جرم کو منتشر کرنے کے لئے کارروائی کی۔ ۱۰ ستمبر کو سندھ کے شہر کشور میں پولیس نے توہین رسالت کے الزام میں بلوے کے ہتھے چڑھ جانے والے ہندو تاجر کی جان بچائی، جو کہ اُس کی جان کے درپے تھے۔ واقعہ کے بعد سینکڑوں افراد سڑکوں پر نکل آئے اور ملزم کے خلاف نعرے بازی کی، جس کے باعث پولیس کو ملزم کو سینئر افسران کے دفتر میں تحفظ دینا پڑا جبکہ مظاہرین اُس کو سزا کے لیے اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ستمبر ہی میں پشاور میں پولیس نے ایک احمدی خاندان کو اُس وقت بچایا جب لوگوں نے اُس پر احمدی عقیدہ کی تبلیغ کا الزام لگا کر اُس کے گھر کا گھیراؤ کیا۔

اگرچہ اغوا اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے واقعات میں حکومت کی مداخلت اور عدلیہ کی طرف سے دادرسی کرنے کی اطلاعات ملی ہیں لیکن ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مؤثر کارروائی کم ہی دیکھنے میں آئی۔ جنوری میں گم ہونے والی ایک پندرہ سالہ ہندو لڑکی کے بعد میں ایک مسلمان مرد علی رضا کے ساتھ وڈیو میں نظر آئی، جس میں دونوں نے باہمی رضامندی سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور لڑکی نے کہا کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ لیکن اُس کے خاندان نے اغوا اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کا الزام عائد کیا۔ عدالتی پیشی کے دوران لڑکی اپنے وڈیو بیان سے منحرف ہو گئی اور والدین کے پاس واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ فروری میں جبکہ آباد کی عدالت نے سندھ انسداد بالغ نکاح قانون کے تحت مذکورہ شادی کو غیر قانونی قرار دیا اور ۹ جولائی کو سندھ ہائی کورٹ نے لڑکی کو ہندو والدین کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ مقامی ذرائع کے مطابق واقعہ کے بعد جبکہ آباد میں صورتحال کشیدہ رہی اور جمیعت علمائے اسلام۔ فضل الرحمان کے کارکنوں نے لڑکی پر مرتد ہونے کا الزام لگاتے ہوئے اُس کے قتل کا مطالبہ کیا تاہم کئی ماہ سرکاری دارالامان میں گزارنے کے بعد وہ گھر واپس چلی گئی۔

نومبر ۲۳ کو سندھ ہائی کورٹ نے ایک نابالغ عیسائی لڑکی کی ۴۴ سالہ مسلمان مرد سے شادی کا عدم قرار دے دی۔ اُس کے والدین کے مطابق لڑکی کو کراچی میں زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے بعد اغوا اور جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ سندھ ہائی کورٹ نے بلوغت کے بابت قانونی دستاویزات اور بیان کی بنیاد پر ۱۲ اکتوبر کو شروع میں تو شادی کو قانونی قرار دیتا تاہم بعد میں پٹیشنوں کے تحت سندھ انسداد نابالغ نکاح ایکٹ کے تحت مذکورہ نکاح کو کالعدم قرار دے کر لڑکی کو دارالامان منتقل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اُس نے والدین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ عدالت نے لڑکی کے مبینہ شوہر اور اُس کے خاندان کو لڑکی سے ملاقات سے منع کر دیا اور نکاح میں مددگار افراد کو گرفتار کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔

وزارت داخلہ نے مذہبی نوعیت کے گروپوں کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کرنے اور ان پر نظر رکھنے کیلئے کئی فہرستیں ترتیب دے رکھی ہیں۔ انتہا پسند اور دہشت گرد عناصر پر پابندی عائد کی جا چکی ہے، ان کی سرگرمیاں فہرست اول کے تحت محدود کر کے ان کی نگرانی کی جاتی ہے اور جن افراد کی عوامی سرگرمیوں کو بشمول عاشورہ محرم کے ایام میں محدود نہیں کیا جاسکتا ان کا ذکر فہرست چہارم میں کیا گیا ہے۔ اگست ۲۳ کو سندھ صوبائی حکومت نے ۱۴۲ اشتعال انگیز مقررین اور مذہبی رہنماؤں پر محرم الحرام کے سلسلہ کے دوران دو ماہ تک ان کے آبائی اضلاع سے باہر سفر پر پابندی عائد کر دی۔ مذکورہ مذہبی رہنماؤں میں شیعہ اور سنی فرقوں کے وہ علماء شامل تھے جنہوں نے ماضی میں متنازعہ تقاریر کی تھیں۔

احمدی رہنماؤں کے مطابق حکام اب بھی قادیانیوں کو توہین رسالت ﷺ، قادیانیوں کے خلاف کی جانے والی قانون سازی کی خلاف ورزی اور دیگر جرائم کے باعث ہراساں کرتے رہے ہیں۔ قادیانی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ قادیانی احمدیوں کو بالواسطہ اور بلاواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش کرنے کے قانون کے مبہم الفاظ کی وجہ سے ان کے لوگوں کو اسلام کے طریقہ کار کے مطابق سلام کرنے یا اپنے بچوں کا نام ”محمد“ رکھنے سے منع کیا جاتا ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں حکام ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔

برادری کے رہنماؤں کے مطابق حکومت شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوانے کے خواہش مند احمدی قادیانیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ حلفیہ بیان دیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ رب العزت کے آخری نبی اور رسول ہیں اور یہ کہ قادیانی احمدی مذہب کا بانی جھوٹا اور کاذب ہے۔ قادیانیوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو احمدی قرار دیں تو ان کے پاسپورٹ میں لفظ ”احمدی“ لکھ دیا جاتا ہے۔

احمدی برادری کے رہنماؤں کے مطابق اس سال کے دوران میں حکام نے گیارہ احمدی قادیانیوں کو اپنے عقائد پر عمل درآمد کرنے پر گرفتار کیا۔ ان میں چھ قادیانی احمدیوں کو توہین رسالت ﷺ کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اگرچہ ان میں تین کو بعد رہا کر دیا گیا۔ قادیانی احمدی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ گذشتہ برسوں کے دوران میں عید الضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنے پر مقدمات درج کرنے اور گرفتاریوں کی وجہ سے اب وہ خفیہ طور پر قربانی کرتے ہیں تاکہ مقدمات اور گرفتاریوں سے بچ سکیں۔ ۲۰۱۸ء میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جس میں کہا گیا کہ شہریوں کو فوج، عدلیہ اور دیگر سرکاری ملازمتوں میں شامل ہونے سے پہلے اپنے عقائد کے بارے میں حلفیہ بیان دینا ہوگا۔ اور پارلیمنٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ قوانین میں اس طرح کی ترامیم کرے کہ قادیانی اسلامی نام نہ رکھ سکیں اور نہ ہی وہ اسلامی اصطلاحات استعمال کر سکیں۔ سال کے آخر تک قومی اسمبلی یا سینٹ نے ۲۰۱۸ء میں سنائے جانے والے اس فیصلہ پر کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا تھا لیکن احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی روشنی میں نادرا شناختی کارڈ بنوانے کے خواہشمند احمدی قادیانیوں سے یہ بیان حلفی لیتی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

احمدیوں کے مطابق حکومت نے مسلمانوں کے ووٹوں کی فہرست میں اندراج کے خواہش مند احمدی قادیانیوں پر یہ پابندی عائد کر کے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے کا حلفیہ بیان دیں، جو کہ ان کے عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتا، ان کی برادری کو ووٹروں کی فہرست سے خارج

کردیا گیا ہے، جو لوگ اپنے آپ کو احمدی ووٹر کے طور پر رجسٹرڈ کرتے ہیں ان کے ووٹوں کا اندراج ایک فہرست میں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اور یوں بہت سے احمدی انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی اپنی دیرینہ پالیسی پر کاربند رہنا پسند کرتے ہیں۔

احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ احمدی خاندانوں کو یونین کونسلوں میں اپنی شادیوں کا اندراج کرانے میں بھی دشواریوں کا سامنا ہے، یہ یونین کونسلیں احمدیوں کو مسلم فیملی لاء مجریہ 1961 کے دائرہ کار سے باہر تصور کرتی ہیں۔

عیسائیوں کے کچھ نمائندوں کا بھی یہ کہنا ہے کہ انہیں اسلام آباد کی یونین کونسلوں میں اپنی شادیوں کو رجسٹرڈ کرانے میں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ یہ کونسلیں کہتی ہیں کہ انہیں عیسائی شادیوں کو رجسٹرڈ کرنے والوں کے ساتھ معاملات کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ عیسائی شادیوں کے رجسٹرار عموماً چرچ کے پادری ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ، چرچ حکام اور قانونی ماہرین عیسائی شادیوں سے متعلق ایک مسودہ پر صلاح مشورہ کر رہے ہیں جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا، اس سلسلے میں موجودہ قانون 1872 میں وضع کیا تھا۔ اراکین قومی اسمبلی، وزارت انسانی حقوق اور وزارت قانون کے حکام نے مختلف مکاتب فکر کے کلیساؤں اور این جی او کے نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا ہے لیکن سال کے اختتام تک مسودہ میں طلاق اور بین المذاہب شادیوں سے متعلق شقوق پر اتفاق رائے پیدا نہ ہو سکا۔

این جی او وزارت انسانی حقوق کی طرف سے بل پر تمام فریقین کے ساتھ مشاورت کرنے اور اس کو منظور کرانے کی کوششیں کرنے پر اس کی تحسین کرتے ہوئے اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ اس میں کچھ ایسی ترامیم شامل کی جائیں کہ جن حالات میں طلاق لی جاسکے ان کا دائرہ کار بڑھا دیا جائے۔

اگرچہ سندھ ہندو میرج ایکٹ میں سکھوں کی شادیوں کا اندراج بھی کیا گیا ہے لیکن سکھ رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ان کے لئے ایک الگ سکھ قانون ہونا چاہیے تاکہ انہیں ہندو مذہب کا حصہ نہ سمجھا جائے۔ سندھ کابینہ نے دسمبر ۲۰۱۹ء میں سندھ ہندو میرج بل کے نفاذ کی رہنمائی پر مشتمل خصوصی ضوابط جاری کئے۔ ۲۰۲۰ء میں صوبائی حکومت نے قانون کا اطلاق اور بیک وقت نادرانے صوبہ کے اندر ہندو شادیوں کا اندراج شروع کر دیا۔

حکومت اپنے تمام باشندوں کو بلا تفریق مذہب اسرائیل جانے سے منع کرتی ہے۔ بہائی برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس پابندی سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ ان کا روحانی اور انتظامی مرکز، یعنی بہائی ورلڈ سنٹر، حیفہ اسرائیل میں واقع ہے۔ عیسائی مذہب کے لوگ بھی حکومت پر زور دیتے رہے ہیں کہ وہ انہیں اسرائیل جانے کی اجازت دے۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں اور اخبارات کے مطابق اسلامی مہینہ محرم الحرام کے شروع ہونے سے کچھ ہفتے پہلے سے لے کر اس مہینہ کے دوران میں، جو کہ شیعہ مسلمانوں کے لئے خصوصی اہمیت رکھتا ہے، وفاقی اور صوبائی سطح پر وزارت داخلہ کی فہرست چار میں اندراج شدہ درجنوں علماء کی نقل و

حرکت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ سول سوسائٹی اور اخباری اطلاعات کے مطابق ان افراد کی نقل و حرکت محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دیتے ہیں۔

کچھ اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ بڑی پارٹیوں کی طرف سے اندرونی صلاح مشورے کے نتیجے میں یا رقم خرچ کر کے نامزدگی حاصل کرنے والے لوگوں کے ذریعے اقلیتی ارکان پارلیمنٹ کے انتخاب کا طریقہ کار متعلقہ اقلیتوں کو حقیقی نمائندگی سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ مخصوص نشستوں پر آئیو الے نمائندے اپنی پارٹیوں اور قومی اسمبلی میں زیادہ اثر و رسوخ نہیں رکھتے کیونکہ اُن کا حلقہ انتخاب نہیں ہوتا۔

منتخب مسلمان نمائندوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے پر ایمان رکھنے کا حلف اٹھائیں لہذا احمدی اس زمرے میں شامل ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ کسی سرکاری ذمہ داری پر کام کرنا چاہیں تو انہیں خود کو غیر مسلم قرار دینا پڑتا ہے، جبکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

حکومت بہت محدود پیمانے پر غیر مسلم غیر ملکی مشنری سرگرمیوں کی اجازت دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف تبلیغ نہ کریں اور یہ تسلیم کریں کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ حکومت کی امیگریشن ویب سائٹ کے مطابق وزارت داخلہ غیر ملکی مشنریوں کو ملک کے اندر رجسٹرڈ تنظیموں کی طرف سے دعوت ملنے پر ویزا دیتی ہے، یہ ویزے ایک سال کے لئے کارآمد ہوتے ہیں اور اس دوران میں صرف ایک بار ملک میں دوبارہ داخل ہوا جاسکتا ہے۔ اگرچہ مشنری حلقے یہ بات جانتے ہیں کہ ملک سے باہر جانے والے مشنریوں کی جگہ لینے کے لئے طویل مدت کے لئے پہلی بار آنے والے مشنریوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ”متبادل“ ویزہ حاصل کریں۔ ویب سائٹ کے مطابق ماسوائے بھارت سے آنے والوں کے ویزوں میں توسیع دو برس کے لئے دی جاسکتی ہے۔

حکومت وقتاً فوقتاً اخبارات میں اشتہار دے کر اور پی ٹی اے کے ذریعے موبائل فونز پر پیغامات کے ذریعے سوشل میڈیا پر توہین رسالت اور دیگر غیر قانونی مواد کی اشاعت کے خلاف متنبہ کرتی رہی ہے۔ ان پیغامات میں بتایا گیا کہ سوشل میڈیا پر توہین رسالت، عریانی اور فحاشی، دہشت گردی اور دیگر غیر قانونی مواد شیئر کرنا جرم ہے۔ صارفین کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ایسے مواد کے بارے میں ای میل پر اطلاع دیں تاکہ اُن کے خلاف پی ای سی اے کے تحت کارروائی عمل میں لائی جاسکے۔

جنوری میں جاری کردہ پریس ریلیز میں پی ٹی اے نے کہا کہ وہ غیر قانونی مواد ہٹانے کے لئے سرگرم ہے اور سوشل میڈیا کمپنیوں سے بھی رابطہ کیا جا رہا ہے۔ پی ٹی اے نے صارفین کو قابل اعتراض مواد سوشل میڈیا کسی ویب سائٹ پر شیئر کرنے کے بجائے براہ راست پی ٹی اے کو شکایت کرنے کا مشورہ بھی دیا۔

فروری میں قومی اسمبلی نے بل متعارف کراتے ہوئے سوشل میڈیا کمپنیوں پر زور دیا کہ وہ اسلام آباد میں اپنے دفاتر کھولیں، اپنے ڈیٹا سرور پاکستان میں قائم کریں اور سوشل میڈیا سے قابل اعتراض مواد مقررہ مدت کے اندر ہٹادیں۔ ٹیکنالوجی کمپنیوں اور کارکنوں کے مطابق قانونی ڈرافٹ میں قابل اعتراض مواد کی تعریف مبہم اور سرکاری وضع کردہ تشریح کی مرہون منت ہے۔

نواکٹوبر کو پی ٹی اے نے وڈیو شیئر کرنے والی ویب سائٹ ٹک ٹاک پر پابندی عائد کر دی، جس کی وجہ غیر اخلاقی اور بیہودہ مواد کی تشہیر بتایا گیا۔ پی ٹی اے کے اقدامات پر ملاجلارہ عمل دیکھنے میں آیا، جس میں کچھ نے تعریف اور دیگر نے اقلیتوں پر پابندی کا سبب قرار دیا۔ اکتوبر کی ۱۹ تاریخ کو حکومت نے پابندی اٹھائی تاہم انسانی حقوق کارکنوں کے مطابق حکومت ٹک ٹاک کی جانب سے دی جانے والی ضمانتوں کو مذہبی اقلیتوں کے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔ نومبر میں حکومت نے انٹرنیٹ سے غیر قانونی مواد ہٹانے اور بلاک کرنے کے ضوابط مجریہ ۲۰۲۰ء کو حتمی شکل دی، جس کا مقصد غیر قانونی تصور کیا جانے والا مواد ہٹانے کی خاطر پی ٹی اے کے اختیارات کو تقویت دینا ہے۔ ان ضوابط سے پی ٹی اے کے اختیارات میں توسیع ہوئی کہ وہ فیس بک، گوگل، یوٹیوب، ٹویٹر اور ویکی پیڈیا سے مواد ہٹانے کے لیے اقدامات یقینی بنائے لیکن ساتھ میں مقامی انٹرنیٹ سہولیات کمپنیوں کی جانب سے اقدامات نہ اٹھانے کی صورت میں ان کو شریک جرم قرار دیا جائے گا۔ دسمبر میں پی ٹی اے نے توہین آمیز مواد ہٹانے کے لیے کوشش کر کے پہلی بار مذکورہ اختیارات کا استعمال کیا۔ پی ٹی اے نے پلے اسٹور پر احمدیوں کی جانب سے قرآن شریف کی غیر مستند اشاعت اور ویکی پیڈیا پر مرزا مسرور احمد کو مسلمان ظاہر کرنے کے خلاف کارروائی کی۔ پی ٹی اے نے معلومات کو باطل، غلط، دھوکہ دہی اور بدگمانی قرار دیا۔ جولائی میں پی ٹی اے نے وہ ۶ پبلیکیشن اپیل اسٹور سے خارج کرانے میں کامیابی حاصل کی۔ ۲۴ دسمبر کو حکومت نے دو امریکی شہری احمدیوں کو قانونی تشبیہ جاری کی کہ وہ اپنی ویب سائٹ ٹرو اسلام ڈاٹ کام انٹرنیٹ سے ہٹائیں یا پھر جرمانہ، پابندیاں اور ممکنہ گرفتاری کے لیے تیار رہیں۔

کچھ اقلیتی نمائندوں کے مطابق حکومت منظم مذہبی گروپوں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے اور اپنے مذہبی ماہرین کو تربیت دینے کی اجازت دیتی رہی ہے۔ گزشتہ سال کی طرح اس سال کے دوران بھی کچھ ہندو اور سکھ عبادت گاہوں کو نئے سرے سے کھولا گیا، جن میں ضلع چکوال میں کٹاس راج کی تزیین و آرائش کے بعد دوبارہ کھولنا اور پنجاب ہی میں چھ مزید ہندو مندر اور سکھ گردواروں کو کھولنا شامل ہے۔

جولائی میں مذہبی اور دائیں بازو کی جماعتوں نے اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کی اجازت دینے کے حکومتی فیصلے پر سخت تنقید کی۔ وزارت مذہبی امور اور ہندو اور عیسائی اراکین اسمبلی کی درخواست پر وزیراعظم عمران خان نے زبانی طور پر مندر کی تعمیر کی منظوری دے دی تھی۔ اُس سے قبل وزیراعظم نواز شریف کی حکومت نے ۲۰۱۶ میں مندر کی تعمیر کے لیے زمین فراہم کی تھی۔ اسلامی مذہبی جماعتوں اور پی ٹی اے سے تعلق رکھنے والے پنجاب اسمبلی کے اسپیکر چودھری الہی نے تحریری اجازت نامہ آنے سے قبل ہی فیصلے کی مخالفت کی کہ اسلامی ریاست میں مندر کی تعمیر نہیں ہونی چاہیے۔ مخالفین نے ۲۹ جون کو اسلام آباد ہائی کورٹ میں مندر کی تعمیر کے خلاف پٹیشن داخل کی جبکہ بلوائیوں نے پانچ جولائی کو حملہ کر کے مندر کے مقام پر قائم دیوار گرا دی۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اکتوبر ۲۸ کو مندر کی تعمیر کی منظوری دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی قوانین ہندوؤں کو عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت دیتے ہیں تاہم ایسی

تعمیرات کے لیے سرکاری خزانہ سے مالی معاونت کی کوئی روایت موجود نہیں۔ حکومت نے اعلان کیا کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل سے نظر ثانی کی اپیل کرے گی لیکن سال کے آخر تک یہ واضح نہ تھا کہ آیا حکومت تاحال مندر کی تعمیر کی حمایت پر قائم ہے یا نہیں۔

اکیس جولائی کو حکومت نے کونسل میں دو سو سال پرانا گوردوارہ سکھ برادری کو واپس دیا۔ گوردوارہ ۱۹۴۷ء سے لڑکیوں کے سرکاری اسکول کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان کے مشیر برائے اقلیتی امور دینیش کمار کے مطابق حکومت نے بلوچستان میں بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کی خاطر مذہبی اقلیتوں کے مقدس مقامات واپس کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سات فروری کو ژوب میں بھی حکام نے ایک سو سال پرانا مندر ہندو برادری کو واپس کر دیا، اس میں بھی سرکاری اسکول قائم تھا۔ ہندو برادری نے ستر سال کے بعد عبادت گاہ واپس ملنے کو خوش آئند قرار دیا۔

اگرچہ سرکاری طور پر احمدیوں پر اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے پر کوئی پابندی نہیں لیکن احمدی قادیانی رہنماؤں کے مطابق مقامی سرکاری حکام تعمیر کی اجازت دینے سے انکاری ہیں۔ قانون کی رو سے احمدی قادیانی اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔ پورے سال کے دوران خاص طور پر تہوار کے دنوں میں اور خصوصی خطرے کے پیش نظر حکام نے شیعہ مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو سیکورٹی فراہم کی۔ اگست اور ستمبر میں شیعہ برادری کے محرم الحرام کے جلوسوں کو اضافی سیکورٹی دی گئی۔ اسلام آباد میں ڈی آئی جی کے مطابق پولیس، رینجرز اور ایف سی کے پندرہ ہزار جوان تعینات کیے گئے تھے۔

پشاور میں کرسمس سے قبل گر جاگھروں کی سیکورٹی سخت کی گئی، ۷ ادا سمبر کو حکومت نے چار دہشتگردوں کو گرفتار کیا جو کرسمس کے موقع پر مدینہ طور پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے، اس دن کو بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش بھی منایا جاتا ہے۔ کرسمس سے قبل حکومت نے ۶۲۳ گر جاگھروں کی حفاظت پر ۶۰۰۰ اہلکار تعینات کئے۔ پولیس نے نشانہ باز اور سی سی ٹی وی اور دیگر سامان بھی کلیڈساؤں اور کرسمس بازاروں کی حفاظت کے لیے فراہم کیا۔ سندھ میں پولیس نے کرسمس اور دیوالی جیسی تقریبات کے موقع پر گر جاگھروں اور ہندو مندروں کو اضافی سیکورٹی فراہم کی۔

این جی اوز اور قانونی ماہرین مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ اقلیتوں کے حقوق کا مکمل قانونی ڈھانچہ ابھی تک واضح نہیں ہے۔ اگرچہ سرکاری طور پر وزارت قانون تمام شہریوں کے قانونی حقوق کی نگہبان ہے لیکن عملی طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری وزارت انسانی حقوق نے سنبھالی ہوئی ہے۔ انسانی حقوق کے قومی کمیشن کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی شکایات کی تحقیق کرے لیکن قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ کمیشن کے پاس اپنی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کی قوت نہیں ہے۔ ۲۰۱۹ء سے لیکر کمیشن بدستور اپنی دوسری چار سالہ مدت کے لئے نئے مینڈیٹ سے اور نئے کمشنروں سے محروم ہے۔

مذہبی اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ وفاقی وزارت داخلہ، وزارت انسانی حقوق اور قانون و انصاف اور ان کی متوازی صوبائی وزارتوں کی طرف سے اقلیتوں کے حقوق اور ان کے تحفظ سے متعلق قوانین کے اطلاق میں تسلسل نہیں ہے۔ جبکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت سماجی اعتبار سے امتیازی سلوک

اور نظر انداز کئے جانے کے خلاف اقدامات اٹھانے میں کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھ اور احمدیوں کو سرکاری طور پر کسی نہ کسی سطح پر امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے، احمدی اس رویے کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔

مئی میں کابینہ نے وزارت مذہبی امور کا مسودہ منظور کرتے ہوئے وزارت کے اندر ہی قومی کمیشن برائے اقلیتی برادری قائم کیا۔ مسودہ میں ایک مشہور ہندو تاجر اور حکمران پی ٹی آئی کے رکن کو کمیشن کا چیئر مین جبکہ دیگر ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی اور کیلاش ممبر مقرر کیے گئے۔ کمیشن میں دو سینئر سنی مسلمان ممبر اور وزارت داخلہ، قانون، انصاف، انسانی حقوق، تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، مذہبی امور اور اسلامی نظریاتی کونسل سے سول ملازمین بھی شامل کیے گئے ہیں۔

یہ منصوبہ سپریم کورٹ آف پاکستان کی جانب سے ۲۰۱۴ء میں صادر کیئے جانے والے فیصلہ کی روشنی میں شروع کیا گیا، جس میں عدالت عالیہ نے حکومت کو اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور مذہبی اور سماجی برداشت کے فروغ کا حکم دیا تھا، تاہم مذہبی آزادی اور سول سوسائٹی کے کارکنوں نے حکومتی منصوبہ کو بے اثر قرار دیتے ہوئے وزارت مذہبی امور کی جانب سے عوامی مشاورت میں عدم دلچسپی، مجوزہ ادارہ کے محدود اختیارات اور احمدیوں کی شمولیت سے مکمل انکار پر تشویش کا اظہار کیا۔ احمدیوں کے نمائندوں کے مطابق وزیر اطلاعات شبلی فراز کی جانب سے احمدیوں کو مجوزہ ادارہ میں شامل نہ کرنے کے اعلان سے احمدی برادری کے خلاف نفرت انگیز تقریر میں اضافہ ہوا۔ وزارت مذہبی امور نے بعد ازاں بیان جاری کیا کہ احمدیوں کی سرکاری اداروں میں شمولیت کے حوالہ سے تاریخی اور مذہبی حساسیت کے باعث ان کو اقلیتی امور کے کمیشن میں شامل نہیں کیا گیا۔ احمدیوں کے مطابق ان سے رابطہ نہیں کیا گیا تاہم وہ اس وقت تک کمیشن میں شامل نہیں ہوں گے جب تک ان کو مسلمان کی شناخت کا حق نہیں دیا جاتا۔

مئی میں پنجاب اسمبلی نے بھی متفقہ قرارداد پاس کرتے ہوئے وفاقی حکومت پر زور دیا کہ جب تک احمدی تحریری طور پر خود کو آئین کے تحت غیر مسلم تسلیم نہیں کرتے ان کو قومی کمیشن برائے اقلیتی امور میں نمائندگی نہیں دی جائے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ یہ ایوان مطالبہ کرتا ہے کہ جب تک قادیانیوں (احمدیوں) کا سربراہ تحریری طور پر پاکستان کے آئین اور خود کو غیر مسلم تسلیم نہیں کرے، تو ہمیں ان کی کمیشن میں شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

پنجاب اسمبلی کے اسپیکر اور پاکستان مسلم لیگ قائد اعظم کے لیڈر چودھری پرویز الہی نے احمدی مخالف بیانات اور حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین نہیں ماننے پر احمدیوں پر سخت تنقید کی۔ پنجاب حکومت نے احمدیوں کے خلاف تین اقدامات کیئے۔ مئی میں احمدیوں کے قومی کمیشن برائے اقلیتی امور میں شمولیت کی مخالفت کی قرارداد، جون میں اسکولوں کے نصاب میں ختم نبوت ﷺ کے بارے میں تعلیم کی شمولیت اور جولائی میں اسلامی عقائد کی بنیاد کے تحفظ کے تحت صوبائی حکام کو اختیارات دیے گئے کہ وہ کسی بھی اشاعتی ادارہ یا ذاتی گھر میں احمدی مذہب کے مواد کی تشہیر و اشاعت کے بارے میں چھاپہ یا قابل اعتراض مواد کو سینسر کر سکتے ہیں۔

قومی اسمبلی، سندھ اور بلوچستان اسمبلیوں کے ارکان نے بھی حضرت محمد ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ خاتم النبیین تحریر کرنے کی لازمی شرط کے اطلاق کا مطالبہ کیا۔ جولائی میں قومی اسمبلی کی وڈیو فوٹیج میں نشر کیا گیا کہ حزب اختلاف کے ارکان نے وزیراعظم عمران خان پر اُس وقت فوری تنقید کی جب وہ پارلیمان کو خطاب کے دوران نبی ﷺ کے نام کے ساتھ خاتم النبیین کی اصطلاح مبارک کی دُرست ادائیگی سے قاصر ہو گئے۔

اپریل میں پولیس نے ایک احمدی عورت رمضان بیبی کو پڑوسی کی جانب سے نبی ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کے الزام پر گرفتار کیا، جس کی بنیاد رمضان بیبی کی جانب سے ایک غیر احمدی مسجد کو عطیہ دینے کے حوالہ سے بحث پر تھی۔ بیبی سال کے آخر تک پابند سلاسل تھی۔

مئی میں ایف آئی اے نے لاہور میں احمدی مبلغ اور نوجوان کارکن روحان احمد کے گھر پر چھاپہ مار کر گرفتار کیا۔ اُس پر سائبر کرائم، قرآن پاک کی بیحرمتی اور ستمبر ۲۰۱۹ء میں ایک واٹس ایپ گروپ کے ذریعہ احمدی مذہب کی تبلیغ کا الزام تھا۔ سال کے آخر تک وہ لاہور کیپ جیل میں تھا اور فرد جرم لاگو نہیں کی گئی تھی۔

جولائی میں لاہور ہائی کورٹ بار ایسو سییشن نے احمدیوں کے غیر مسلم ہونے کی آئینی شق کا حوالہ دیتے ہوئے وفاقی وزارت داخلہ کو خط ارسال کیا کہ احمدیوں کو عید الاضحیٰ پر مسلمانوں کے طور طریقہ کی طرح جانور قربان کرنے سے روکا جائے۔

اگست میں ایک مدرسہ کے عہدیدار کی جانب سے شکایت پر تین احمدیوں کے خلاف پولیس نے مقدمہ درج کیا کہ انہوں نے عید الاضحیٰ پر جانور قربان کر کے بطور غیر مسلم ہم مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ لیکن کوئی گرفتاری یا قانونی چارہ جوئی نہیں ہوئی۔

اکتوبر میں پنجاب پولیس نے اپنی عبادتگاہوں میں اسلامی علامات استعمال کرنے پر تین احمدیوں کو گرفتار کیا۔ الزامات کی سزا تین سال قید اور جرمانہ ہے۔ اُن کے خلاف تین مئی کو مقدمہ درج کیا گیا تھا لیکن سال کے آخر تک پیروی کے منتظر تھے۔

سرکاری حکام اور سیاست دان ملک کے بڑے شہروں اور مذہبی اجتماعات میں منعقد ہونے والی ختم نبوت ﷺ کانفرنسوں میں شرکت کرتے اور تقاریر کرتے رہے ہیں۔ ان کانفرنسوں کا انعقاد اُن گروپوں کی طرف سے کیا گیا جو کہتے ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کی بنیادی اسلامی تعلیم کا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں قادیانی احمدیوں کے خلاف تقاریر کی جاتی ہیں۔

سات ستمبر کو جی یو آئی ایف نے پشاور میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد کیا، جس میں وفاقی اور صوبائی اراکین سمیت پارٹی عہدیداروں نے شرکت کی۔ کانفرنس میں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمان نے پشاور میں امریکی شہری احمدی طاہر نسیم کو قتل کرنے والے نوجوان کے وکیلوں کو خراج

تحسین پیش کیا اور مولانا نے مغربی حکومتوں پر احمدیوں کی حمایت کا الزام بھی عائد کیا۔ اسی دن مسلم لیگ نواز کے رکن اسمبلی الیاس چنیوٹی نے پنجاب میں احمدی مرکز کے قریب بین الاقوامی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کر کے احمدیوں کے خلاف تقریر کی۔

وزارتِ انسانی حقوق اور وزارتِ تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت نے سال کے دوران اقلیتی گروہوں کے نمائندوں سے مشاورت کی کہ نصابی کتابوں میں سے تذبذب کے حامل استعارات ختم کیے جائیں۔

جون میں پنجاب اسمبلی نے متفقہ رائے سے نصاب اور درسی بک بورڈ ترمیمی بل پاس کیا، جس پر گورنر چودھری محمد سرور نے دستخط کر کے قانون میں تبدیل کر دیا۔ قانون میں کسی بھی درسی کتاب میں اسلامیات کا نصاب شائع کرنے سے قبل پنجاب علماء کو نسل سے رائے لینا لازمی قرار دیا گیا ہے، جو اسمبلی اسپیکر چودھری پرویز الہی کے مطابق نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضہ کے شان میں گستاخی کے مرتکب نصاب کی اشاعت کو روکنے کی خاطر لازمی ہے۔ سول سوسائٹی نمائندوں کے مطابق بل کا نشانہ احمدی ہیں، جن کی علماء بورڈ میں نمائندگی نہیں ہیں اور وہ آئینی طور کا فرقرار دیئے گئے ہیں۔ نجی ملاقاتوں میں بعض ارکان اسمبلی نے تصدیق کی کہ بل کا مقصد ختم نبوت ﷺ کی توثیق اور احمدیوں کو اسکولوں کے نصاب میں بھی خارج جذبہ کرنا ہے۔

بائیس جولائی کو پنجاب اسمبلی نے اسلامی بنیاد کے تحفظ کا بل پاس کیا، جس کا مقصد صوبہ میں قابل اعتراض مواد کی اشاعت کی روک تھام ہے۔ مسلم لیگ قائد کی جانب سے پیش کردہ بل پر گورنر چودھری سرور نے بل پر دستخط نہیں کیے اور اعتراض کیا کہ بل شیعہ مخالف تصور کیا جائے گا۔ پنجاب حکومت کے نمائندوں کے مطابق چودھری سرور کا بل پر تمام اقلیتی فریقوں کے متفق ہونے تک دستخط کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ لاہور کے مقامی صحافی کے مطابق وزیر اعظم عمران خان سمیت سرکاری حکام نے چودھری سرور کو بل پر دستخط نہ کرنے کو کہا ہے۔ بل میں مجوزہ پابندیوں کے مطابق پبلشر، ایڈیٹر اور ترجمہ کرنے والے پیشہ ور افراد کو گستاخانہ تصور کیے جانے والے مواد پر مشتمل کتاب یا دیگر مواد کی اشاعت پابندی سے روکا جاسکے گا۔ بل میں حضرت محمد ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ خاتم النبیین اور اہل تشیع میں معتبر تصور کیے جانے والے اُن کے صحابہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کے بجائے رضی اللہ عنہ تحریر کیا جائے گا۔ احمدی رہنماؤں کے مطابق وہ بل کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں۔ شیعہ رہنماؤں نے تاہم بل کو رد کرتے ہوئے اس کو اہلسنت اور اہل تشیع کے درمیان فرقہ وارانہ تنازعہ کو بڑھا دینے کا خطرہ قرار دیا۔

قانون کے مطابق تمام انبیاء کرام عظیم السلام اور چاروں آسمانی کتابوں بشمول قرآن پاک، تورات، زبور اور انجیل، اہل بیت کے شان میں کسی بھی نوعیت کی گستاخی یا توہین، دہشت گردوں کی پذیرائی یا کسی بھی کتاب میں فرقہ واریت کو فروغ دینے کی سزا پچاس ہزار روپے جرمانہ اور پانچ سال تک قید ہوگی۔ مسودہ کے مطابق اشاعت سے قبل پبلشر کو ہر کتاب کی چار کاپیاں ڈی جی پی آر پنجاب کو نظر ثانی کے لیے پیش کرنی ہوں گی۔ ڈی جی دفتر کو اشاعت گھر، کتابوں کی دکانوں اور پبلشر پر چھاپہ کے اختیارات ہوں گے اور قابل اعتراض مواد کی موجودگی کی صورت میں کتابوں کو اشاعت سے قبل اور بعد ازاں حکام اُن کو ضبط کرنے کے مجاز بھی ہوں گے۔

اگرچہ سکولوں میں یہ لازم ہے کہ مسلمان طلبہ کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دی جائے۔ مگر ذرائع کا کہنا ہے کہ بہت سے غیر مسلم طلبہ کو بھی اس میں شرکت کرنا پڑتی ہے کیونکہ اُن کے سکولوں میں اُن کے مذہبی عقائد یا اخلاقیات کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ حکومت کی طرف سے کسی احمدی استاد کو یہ اجازت نہیں کہ وہ سرکاری سکولوں میں اسلامیات کا مضمون پڑھائے۔ اقلیتی نمائندوں کے مطابق سرکاری اسکولوں میں مسلمان طالبعلموں کے لیے حفظ قرآن کے لیے اضافی نمبر دیے جاتے ہیں جبکہ غیر مسلم طالبعلموں کے لیے کوئی متبادل نمبر دینے کا سلسلہ میسر نہیں ہے۔

اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ انہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کے حوالے امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔ قادیانی نمائندوں کے مطابق یونیورسٹیوں میں داخلہ کی درخواست دیتے وقت طلبہ کو جس حلف نامہ پر دستخط کرنا پڑتے ہیں، اس کی وجہ سے قادیانی احمدی اپنے آپ کو مسلمان قرار نہیں دے سکتے، اگر وہ اس حلف نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخود داخلہ کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے داخلہ لینے کے اہل نہیں رہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا دعویٰ نہ کریں تو وہ داخلہ لے سکتے ہیں۔

کچھ مدارس کے بارے میں یہ اطلاعات ہیں کہ وہ انتہا پسندی اور تشدد کی تعلیم دیتے ہیں۔ جبکہ حکومت اس رجحان کو مدارس کی رجسٹریشن اور نصاب میں اصلاحات کے ذریعے ختم کرنا چاہتی ہے۔

اقلیتی برادری خاص طور پر نجی ذات کے ہندوؤں نے زمینوں پر قبضہ کرنے والے بااثر افراد کی جانب سے حکومت کی مدد سے اُن کو گھروں سے بیدخل کرنے کی کوششوں کی شکایت کی۔ ۱۳ جولائی کو سندھ کے شہر مٹھی میں روینو اہلکاروں کی جانب سے مقامی بااثر افراد کی ایماء پر گھروں کو مسمار کرنے کے خلاف خواتین اور بچوں سمیت سینکڑوں پھیل برادری کے لوگوں نے احتجاج کیا۔ انہوں نے کہا کہ گھر خالی کرنے سے انکار پر روینو اہلکاروں نے اُن پر جعلی مقدمات درج کیے۔ انہوں نے کہا کہ ہندو مذہب میں کم ترین تصور کیے جانے والے دولت برادری کو تھر پار کر اور دیگر علاقوں میں امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مثال طور ڈیپلو میں ایک میٹنگھواڑ خاتون نے اعلیٰ ذات کے ہندو کی جانب سے مسلسل عصمت دری کا نشانہ بننے سے تنگ آ کر خود کشی کر دی۔ ورنہ کے مطابق پولیس نے ملزم کی بڑی ذات ہونے کی وجہ سے مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیا۔

زیادہ تر مذہبی اقلیتی گروہوں کا کہنا ہے کہ انہیں سرکاری ملازمتوں کے حصول میں امتیازی سلوک کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور صوبائی حکومتیں بھی سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کی بھرتی کا لحاظ رکھنے میں ناکام رہیں۔

اقلیتوں کے حقوق کے لئے سرگرم کارکنوں کے مطابق صفائی کے عملہ کی بھرتی کے لئے سرکاری طور پر دیئے جانے والے اشتہارات میں اس کی بنیادی اہلیت غیر مسلم ہونا لکھی جاتی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے کارکنوں کے نزدیک اس طرح کے اشتہار توہین آمیز اور امتیازی ہیں۔ لاہور ویسٹ مسٹریجمنٹ کمپنی نے صرف عیسائی بطور خاکروب بھرتی کرنے کا سلسلہ جاری رکھا، ایچ آر سی پی نے ایسے اشتہاروں پر تنقید کی جن کے نتیجے میں اقلیتوں کی توہین ہوتی

ہے۔ ایچ آر سی پی نے سندھ حکومت کی جانب سے صفائی عملہ کی بھرتی کے اشتہار کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اُن کی وجہ سے انسانی وقار کی توہین اور تمام شہریوں کو آئین کے عطا کردہ برابر حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔ مئی میں نیویارک ٹائمز نے معاملہ کو اجاگر کیا تو بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں نے بھی احتجاج کیا۔

اقلیتوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ ایک ”غیر مرئی“ رکاوٹ انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ترقی پانے سے روکتی ہے لیکن ایک این جی او کا کہنا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے محدود مواقع کے باعث بہت کم اقلیتی اراکین اعلیٰ ملازمتوں پر تعینات ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ فوج میں کسی اقلیتی افسر کی ترقی پر سرکاری طور پر کوئی قدغن نہیں ہے لیکن عملی اعتبار سے غیر مسلم فوجی افسر بہت ہی کم کرنل کے عہدے سے آگے جا پاتے ہیں اور انہیں بھی کسی سینئر عہدے پر تعینات نہیں کیا جاتا۔

پرنٹ اور نشریاتی ذرائع ابلاغ میں احمدی مخالف بیانیہ کی تشہیر و اشاعت جاری رہی۔ مئی میں حکومت کی جانب سے احمدیوں کو قومی کمیشن برائے اقلیتی امور سے خارج رکھنے کے اعلان کے بعد مذہبی امور کے وزیر قادری نے ایک مقبول ٹی وی شو میں بات کرتے ہوئے احمدیوں کے حمایتیوں کو کافر قرار دیا۔ احمدی برادری کے نمائندوں کے مطابق اُردو میں شائع ہونے والے اخبارات اکثر و بیشتر ان کے خلاف نفرت انگیز خبریں اور ایڈیٹر کے نام خطوط میں مواد شائع کرتے ہیں، جن میں سے کچھ خبروں میں احمدیوں کے خلاف تشدد آمیز کاروائیوں پر اکسایا گیا تھا۔ سوشل میڈیا پر بھی احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز مواد ہر وقت موجود رہتا ہے اور بعض اوقات سینئیر سیاسی ارکان اُس کی تشہیر میں شریک رہے۔

جولائی میں امریکی شہری طاہر نسیم کے قتل کے بعد جی یو آئی ایف کے رہنماء مفتی کفایت اللہ نے قتل پر جشن مناتے ہوئے اُس کو انصاف کا بول بالا قرار دیا۔ پی ٹی آئی سندھ کے صدر اور رکن صوبائی اسمبلی حلیم عادل شیخ سمیت بعض معروف سیاسی رہنماؤں نے اپنے سوشل میڈیا پر و فائیل پر قاتل کی تصویر رکھی۔

چھبیس جنوری کو تھر پار کر سندھ میں مقامی عدالت نے چار نوجوان لڑکوں کو، ہندو مندر کی بیچر متی کے اعتراف کے بعد، حیدرآباد جیل کے نابالغ قیدی مرکز بھیج دیا۔ یہ واقعہ تھر پار کر کی تاریخ میں کسی ہندو مندر پر حملہ کا تیس سال میں پہلا واقعہ تھا۔ اقلیتی قانون سازوں اور شہری حقوق کی تنظیموں نے حملہ کے خلاف شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور مقامی علماء پر لڑکوں کو آکسانے کا مورد الزام ٹھہرایا۔

سول سوسائٹی ارکان کے مطابق حکام احمدیوں کی عبادت گاہوں پر حملوں کی روک تھام یا اُن کو مسمار کرنے، نقصان پہنچانے یا قبضہ کرنے والوں کے خلاف کارروائی نہیں کرتے۔ مقامی حکام نے گزشتہ سالوں کے دوران فسادات میں تباہ ہونے والی احمدی عبادت گاہوں کی مرمت کی اجازت نہیں دی۔

فروری میں ایک گروہ نے پنجاب میں ایک صدی قدیم احمدی عبادت گاہ پر قبضہ کیا۔ جولائی میں گجرانوالہ کے رہائشیوں نے احمدیوں کے قبروں کو نقصان پہنچایا۔

برادری کے رہنماؤں نے حکومت سے شکوہ جاری رکھا کہ وہ غریب ترین شہریوں، بشمول اقلیتوں، جیسا کہ عیسائیوں اور دلت ہندؤں کے بیگار مشقت سے تحفظ کے لیے اقدامات نہیں اٹھاتی۔ مئی میں سرگودھا میں دانیال مسیح نے عدالت میں شکایت درج کرائی کہ حکام کو اُس کے بھائی اور خاندان کو ایک مسلمان زمیندار کے مشقت کیمپ سے بچایا جائے۔ کم ذات ہندو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا شکار اور مرتکب افراد کی جانب سے مقدمات واپس لینے کے دباؤ میں تھے۔ ۳۰ ستمبر کو ذرائع ابلاغ نے رپورٹ دی کہ دلت ذات کی سترہ سالہ ہندو لڑکی نے تھرپار کر میں ایک مسلمان کی جانب سے سال قبل جنسی زیادتی اور بلیک میلنگ کے بعد خودکشی کر دی۔ واقعہ میں ملوث تین ملزمان کو بعد از گرفتاری رہا کر دیا گیا تھا اور لڑکی کے خاندان والوں کے مطابق وہ اُس پر مقدمہ واپس لینے کے لیے دباؤ ڈالتے تھے۔

بیرونی قوتوں اور غیر ریاستی عناصر کی زیادتیاں

سول سوسائٹی اور اخبارات کے مطابق حکومت کی طرف سے کالعدم قرار دی گئی تنظیموں لشکر جھنگوی، تحریک طالبان پاکستان، سپاہ صحابہ پاکستان سے منسلک فرقہ وارانہ گروپ مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور دیگر بدسلوکیوں میں ملوث رہے۔ مزید برآں امریکہ اور دیگر ممالک کی طرف سے دہشت گرد قرار دیے جانے والے گروہوں، جیسا کہ دولت اسلامیہ، نے بھی اہل تشیع بالخصوص ہزارہ شیعہ افراد کے خلاف پر تشدد کارروائیاں کیں۔

ایس اے ٹی پی کے مطابق مجموعی طور پر مسلح گروپوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کی تعداد میں کمی دیکھنے میں آئی۔ فرقہ وارانہ واقعات کی اطلاعات فراہم کرنے والی تنظیموں کا فرقہ وارانہ حملوں کے حوالے سے کوئی خاص پیمانہ نہ ہونے کے باعث ایسے حملوں کے اعداد و شمار میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ایس اے ٹی پی کے مطابق سال بھر کے دوران فرقہ وارانہ تنظیموں کے حملوں میں مجموعی طور دس افراد قتل اور دس زخمی ہوئے۔ ان حملوں کا نشانہ شیعہ برادری کے اجتماعات تھے۔

خیبر پختونخوا میں شیعہ مسلمانوں کے قتل کی متعدد اطلاعات تھیں لیکن مذہبی اور لسانی تنازعات میں معمولی فرق کی وجہ سے بعض واقعات کو مذہبی قرار دینا مشکل تھا۔ ستمبر میں نامعلوم مسلح افراد نے کوہاٹ میں مقامی شیعہ برادری کے دو معروف افراد کو قتل کیا۔ اُس مہینے شیعہ مخالف کارروائیوں میں اضافہ دیکھنے میں آیا، جیسا کہ پنجاب کے ضلع منڈی بہاؤ الدین میں شیعہ رہنماء اور اسلام آباد میں نیشنل بینک آف پاکستان کے اہل تشیع سے تعلق رکھنے والے ملازم کو بھی قتل کیا گیا۔ گیارہ اکتوبر کو نامعلوم افراد نے پاک-ایران سرحد کے قریب بلوچستان کے علاقہ پچگور میں چھ شیعہ زائرین کو اغواء کیا۔ ایران سے واپسی پر اغواء ہونے والے اور کراچی سے تعلق رکھنے والے یہ افراد سال کے آخر تک لاپتہ تھے۔

پچیس جون کو انسداد دہشت گردی عدالت نے دہشت گردی کی مالی معاونت اور دھماکہ خیز مواد رکھنے کے الزام میں القاعدہ کے پانچ ارکان کو سولہ سال قید کی سزا دی۔ شدت پسندوں کو جو جرائنوالا میں القاعدہ کا میڈیا سیل چلانے کے جرم میں سزا سنائی گئی۔ ۲ جولائی کو انسداد دہشت گردی عدالت نے دہشت گردوں کو سہولت فراہم کرنے کے جرم میں سپاہ صحابہ کے رکن کو ۱۳ سال قید کی سزا سنائی۔

سندھ اور بلوچستان میں ہندو برادری برادری ٹارگٹ کلنگ اور اغواء برائے تاوان جیسے واقعات کا شکار رہی۔ ۱۹ جولائی کو خضدار، بلوچستان، میں ہندو برادری نے وڈھ کے علاقے میں ایک ہندو تاجر نانک رام کے قتل کے ایک دن بعد احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ۳۱ جولائی کو خیرپور میں ہندو تاجر اور انجمن تاجران و صنعت کے رکن کشنچند کو نامعلوم افراد نے قتل کر دیا۔ پاکستان ہندو کونسل نے اپنے بیان میں خیرپور میں ہونے والے اس قتل اور ہندو کمیونٹی کے خلاف تشدد کے دیگر واقعات کی مذمت کی۔

غیر منافع بخش مڈل ایسٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے مطابق تحریک طالبان کے جریدہ کے دسمبر کے شمارے نے یہودیوں اور ان کے کٹھ پتلیوں کو کرونا وائرس با پھیلانے اور اُس کے دوران مسلمانوں کو ہراساں کرنے کا مذمہ دار ٹھہرایا۔ مضمون نگار نے دعویٰ کیا کہ کووڈ-۱۹ کو ۱۹۶۰ء سے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے چھپایا گیا تھا۔

حصہ سوئم: مذہبی آزادی کی معاشرتی حیثیت

سماجی اعتبار سے مذہبی آزادی کی بے حرمتی میں شیعہ اور احمدیوں کی ٹارگٹ کلنگ اور عیسائیوں، ہندوؤں اور احمدیوں کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد شامل ہیں۔ سارا سال نامعلوم افراد شیعہ لوگوں، شیعہ ہزارہ کمیونٹی کے افراد اور احمدیوں حملے کرتے اور انہیں قتل کرتے رہے۔ ذرائع کے مطابق یہ تمام حملے مذہبی بنیادوں پر کئے گئے۔ حملہ آوروں کا منظم دہشت گرد تنظیموں سے تعلق واضح نہیں تھا۔

بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں شیعہ ہزارہ کمیونٹی کے لوگ اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ انہیں کئی برسوں سے ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اگرچہ حکومت کوئٹہ میں ہزارہ لوگوں کی آبادی کے ارد گرد حفاظتی اقدامات میں کافی بہتری لائی ہے لیکن ہزارہ کمیونٹی کے بعض افراد کا کہنا ہے کہ ان اقدامات نے ان کی آبادیوں الگ تھلگ بستیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

جولائی میں پشاور کی عدالت میں ایک نوجوان نے امریکی شہری طاہر نسیم کو توہین رسالت ﷺ کے الزام میں قتل کیا۔ نوجوان اور اُس کے دو ساتھیوں کو موقع پر ہی تحویل میں لے لیا گیا تاہم سال کے آخر تک ان پر مقدمہ نہ چلایا جاسکا تھا۔ سولہ سالہ ملزم کو نابالغ افراد کے مرکز میں رکھا گیا جبکہ اس کے دوسرے دو ساتھیوں میں ایک پیش امام اور ایک نوجوان وکیل شامل ہیں۔ سوشل میڈیا صارفین کی ٹوئٹس ٹرینڈز میں نسیم کو مارنے والے کو نجات دہندہ اور فخر پاکستان قرار دیا گیا۔ ٹوئٹس اور ویسٹس ایپ صارفین نے کمرہ عدالت کے مناظر دوسروں کو بھیجے جن میں نسیم کو کرسی پر گرا ہوا دیکھا جاسکتا تھا، جبکہ لوگوں کے جھوم لاش کو نظر انداز کرتے ہوئے مارنے والے کو مبارکباد کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔

نسیم کے قتل کے بعد احمدیوں کو نشانہ بنائے جانے کے واقعات میں بہت اضافہ ہوا۔ پشاور میں بارہ اگست کو احمدی تاجر اور ۱۵ اکتوبر کو پروفیسر نعیم خٹک قتل ہوئے۔ خٹک کے قتل کے عینی گواہ بھائی نے دو ملزموں کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کروایا، جن میں زرعی یونیورسٹی پشاور میں مقتول کا ساتھی لیکچرار اور دوست بھی شامل تھا، جس کے ساتھ ایک دن قبل خٹک کی گرما گرم بحث ہوئی تھی۔ ۹ نومبر کو پشاور ہی میں بس کے منتظر ۸۲ سالہ ایک احمدی کو قتل کیا گیا، جسے اس کی برادری نے مذہب کی بنیاد پر حملہ قرار دیا۔

۲۰ نومبر کو دیہی پنجاب میں ایک نوجوان نے احمدی ڈاکٹر طاہر احمد کو قتل اور اُس کے تین رشتہ داروں کو بری طرح زخمی کر دیا۔ ۲۱ نومبر کو وفاقی وزیر برائے انسانی حقوق شیریں مزاری نے اپنے ٹوئٹ میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام شہریوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ احمدیوں نے وفاقی وزیر کی جانب سے مذمت پر تعجب کا اظہار کیا تاہم وہ اس کو نئی روایت کی شروعات نہیں سمجھتے۔ وزیر اعظم کے مشیر برائے مذہبی رواداری طاہر اشرفی نے ایک ٹی وی انٹرویو میں کہا کہ قانون کی خلاف ورزیوں میں ملوث افراد کو سزا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اپنی ۲۰۲۰ء کی عالمی منظر نامہ رپورٹ میں اوپن ڈور زنامی این جی او نے دعویٰ کیا کہ پاکستان میں عیسائیوں کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں خطرات کا سامنا ہے، جن میں سب سے زیادہ مذہب کی تبدیلی ہے۔ تنظیم کے مطابق عیسائیوں کو دوسرے درجے کا شہری اور مسلمانوں سے کمتر تصور کیا جاتا ہے۔ اُن کو ادنیٰ اور کمتر سمجھی جانے والی ملازمتیں دی جاتی ہیں جبکہ وہ جبری مشقت کا شکار بھی بنتے ہیں۔ این جی او نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ملک میں عیسائی لڑکیوں کو اغواء، اکثر حملہ آوروں سے زبردستی شادی اور اسلام قبول کرنے جیسے خطرات درپیش تھے۔

بیرون ملک رومن کیتھولک عیسائیوں کے ادارے کی سرکاری خبر رساں ایجنسی ایشیا نیوز کے مطابق چار جون کو پشاور میں مسلمان اکثریت والے علاقہ میں رہائش پذیر دو عیسائیوں کو قتل کیا گیا، پولیس نے پڑوسی مسلمان خاندان کے متعدد افراد کو گرفتار کیا تاہم اُن کا سربراہ مسلمان خان مفروز تھا۔ ایشیا نیوز کے مطابق خان کو جب معلوم ہوا کہ پڑوسی عیسائی ہیں تو اُس نے اُن کو اسلام دشمن مذہب سے تعلق رکھنے والا کہہ کر فوری گھر خالی کرنے کا کہا، کچھ دن ہراساں کرنے کے بعد چوبیس گھنٹے کی مہلت دی اور پھر بیٹوں کے ساتھ واپسی پر عیسائی خاندان کے دو افراد پر حملہ کر کے انھیں زخمی کر دیا۔

سول سوسائٹی اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق مسلمان مردوں نے نوجوان عیسائی اور ہندو خواتین کو اغواء کر کے ان کی بے حرمتی کی۔ متاثرہ عورتوں کا کہنا ہے کہ انہیں اُن کی اقلیتی مذہبی شناخت کی بناء پر کمزور سمجھ کر نشانہ بنایا گیا۔ غیر سرکاری تنظیموں سینٹر فار لیگل ایڈ، اسٹینس اینڈ سیٹلمنٹ (سی ایل اے اے ایس) اور پاکستان سینٹر فار لاء اینڈ جسٹس کے مطابق مذہبی اقلیتوں کی خواتین پر جسمانی حملوں کی اطلاعات بھی موصول ہوتی رہیں۔ نو اکتوبر کو مٹھی، سندھ، میں اسکول جاتی ہوئی ہندو خاتون ٹیچر پر مسلمان مرد نے کلہاڑی سے حملہ کیا۔ اُستانی حملہ میں محفوظ رہی تاہم اُس نے میڈیا کو بتایا کہ ملزم کئی دنوں سے اُس کا پیچھا کر کے ہراساں کر رہا تھا۔ شکایت کے باوجود پولیس نے مقدمہ درج نہیں کیا لیکن بعد ازاں سندھ کے سیکریٹری تعلیم کی مداخلت پر پولیس نے ملزم کو گرفتار کر لیا۔

ایچ آر سی پی کے مطابق نوجوان ہندو لڑکیوں، خاص طور صوبہ سندھ میں چلی ذات سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کو زبردستی مذہب تبدیل کروانے کے واقعات رُو نما ہوتے رہے۔ تیرہ اکتوبر کو مقامی ذرائع ابلاغ کے مطابق سندھ ہائیکورٹ سکھر میں پیشی کے دوران دلت ہندو ذات سے تعلق رکھنے والی لڑکی ریٹاکماری نے اسلام کوٹ میں رفیق ڈوکی پر اغواء کا الزام لگایا۔ اُس نے کہا کہ ڈوکی اُس کو بلوچستان لے گیا اور دو ماہ تک وہاں رکھا، جب تک کہ پولیس نہیں پہنچ گئی۔ اُس نے اغواء کار کی جانب سے مرضی سے مسلمان ہونے اور رضامندی سے شادی کے دعویٰ کو غلط قرار دیا اور عدالت سے استدعا کی کہ اسے اپنے سابقہ ہندو شوہر اور کمسن بچے کے پاس واپس بھیج دیا جائے۔ عدالت نے اُس کی درخواست قبول کر لی تاہم اغواء کرنے والے کے خلاف کوئی بھی پولیس یا عدالتی کارروائی نہیں کی گئی۔

عیسائیوں کا بھی کہنا تھا کہ اُن کی خواتین کو بھی جبری مذہب تبدیل کروانے کے خطرات لاحق ہیں۔ ۲۲ فروری کو لاہور سے ایک عیسائی لڑکی نے ایک فیکٹری ملازم مسلمان کی جانب سے جبری مذہب تبدیل کروا کر نکاح کرنے کے ڈر سے دارالامان میں پناہ لی، بعد ازاں لڑکی کی والدہ کی شکایت پر ملزم کو گرفتار کر لیا گیا۔

بائیس جولائی کو ایک مسلمان شخص سعید امانت نے پندرہ سالہ عیسائی لڑکی کو فیصل آباد میں گرجا گھر کے راستے سے اغواء کر لیا۔ لڑکی کے ورثاء نے خدشہ ظاہر کیا کہ اُس کا مذہب تبدیل کروا کر مسلمان شخص سے جبری شادی کرائی جائے گی۔ ۲۲ اگست کو ایک اور نوجوان عیسائی لڑکی نے مسلمان شخص محمد نقاش کے گھر سے راہ فرار اختیار کی، جس نے اس کو اپریل میں اغواء کیا تھا۔ ۸ ستمبر کو ایک عیسائی عورت مہوش ہدایت تین ماہ تک ایک مسلمان شخص کی قید میں گزارنے کے بعد خاندان والوں سے واپس ملنے میں کامیاب ہوئی۔

اس کے علاوہ ستمبر میں کراچی کی عدالت نے عبدالجبار نامی شخص کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے۔ اُس پر ۲۰۱۹ء میں ایک کمسن عیسائی لڑکی کو اغواء، اس سے جبری نکاح کرنے اور اس کا مذہب تبدیل کروانے کا الزام تھا۔ سندھ میں اٹھارہ سال سے کم عمر شادیوں پر پابندی کے قانون کی وجہ سے لڑکی کو پنجاب کے شہر ڈیرہ غازی خان منتقل کیا گیا تھا۔ سال کے آخر تک متعدد عدالتی نوٹسز جاری ہونے کے باوجود وہ اور اُس کا مہینہ شوہر عدالت میں پیش نہیں ہوئے تھے۔

عالمی اور مقامی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ عیسائی کارکنوں کی اطلاعات کے مطابق نوجوان اور نو عمر عیسائی لڑکیوں کو اُن کی غربت اور بے بسی کے باعث چینی بردہ فروشوں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بھی بننا پڑ رہا ہے۔ یہ اسمگلر پادریوں اور اُن لڑکیوں کے والدین کو بتاتے ہیں کہ وہ ان لڑکیوں کی ایسے چینوں کے ساتھ شادی کا انتظام کریں گے جو عیسائیت قبول کرنے پر تیار ہوں، لیکن لڑکیوں کو چین منتقل کر کے ان کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی روا رکھی جاتی ہے اور بعض صورتوں میں ان کو بدکاری کا پیشہ اپنانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اطلاعات کے مطابق یہ اسمگلر پادریوں اور لڑکیوں کے والدین کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتے ہیں اور کچھ پادری تو ان خواتین کی چین غیر قانونی منتقلی میں معاونت فراہم کرنے میں بھی ملوث ہیں۔

سول سوسائٹی کے نمائندوں کے مطابق اسلام سے مرتد ہونے والے افراد خاندان اور معاشرہ کی جانب سے سزا کے ڈر سے نہایت خفیہ طرز زندگی اختیار کرتے ہیں۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں مقامی کیلاش نمائندے مسلسل یہ شکایت کرتے آئے ہیں کہ اُن کے نوجوانوں کو اسکولوں کے مسلمان اساتذہ اور دوسرے لوگوں کی طرف سے اپنے روایتی عقائد تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کا سامنا ہے۔

ساراسال مختلف سیاسی شناخت رکھنے والی اسلامی تنظیمیں ختم نبوت ﷺ کے عقیدے کی حمایت میں جلوس نکالتی اور کانفرنسوں کا اہتمام کرتی رہی ہیں۔ ان جلوسوں اور کانفرنسوں کی خبریں انگریزی اور مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہیں اور ان میں احمدیوں کے خلاف سخت اشتعال انگیز زبان استعمال کی جاتی ہے، جس کو احمدی اپنے خلاف تشدد کا باعث سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں جے یو آئی کی کانفرنس اور جلوسوں کے علاوہ جماعت اسلامی نے بھی ستمبر میں پشاور میں ریلی منعقد کی۔ دونوں پارٹیوں نے شرعی نظام نافذ کرنے میں ناکامی پر پی ٹی آئی کی سربراہی میں قائم وفاقی حکومت کو نشانہ تنقید بنایا۔ تحریک لبیک پاکستان اور کالعدم اہل سنت والجماعت نے بھی چھوٹی ریلیاں منعقد کیں۔ ریلیاں خیبر پختونخوا اسمبلی میں شامی بیڈو میں توہین آمیز کارٹون کی اشاعت کے خلاف متفقہ رائے سے قرارداد پاس ہونے کے بعد نکالی گئیں۔

کراچی میں ستمبر میں متعدد دیوبندی اور بریلوی تنظیموں سمیت سنی گروہوں نے قابل احترام سنی شخصیات کی بھرتی کے خلاف احتجاجی ریلیاں نکالیں۔ یہ ریلیاں پولیس کی جانب سے شیعہ ذاکر تقی جعفر کو محرم کے جلوس کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو شخصیات کی شان میں گستاخی پر ۳۰ اگست کو توہین مذہب کے مقدمہ میں نامزد کرنے کے بعد نکالی گئیں۔

احمدی مسلسل کہتے رہے کہ ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو بڑے پیمانے پر جسمانی حملوں، گھروں پر حملوں اور جائیداد کو نقصان پہنچانے اور اپنی ملازمتیں اور شہر چھوڑنے کی دھمکیوں سمیت ہراساں کئے جانے کے واقعات کا سامنا ہے۔ بارہ اگست کو مسلح افراد نے پنجاب کے ضلع ساہیوال میں احمدی سید نعیم احمد کے گھر پر حملہ آور ہو کر صحن میں فائرنگ کی لیکن گھر والے دوسری جگہ ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ۲۰ اگست کو لالہ موسیٰ، وسطی پنجاب، میں احمدی شیخ ناصر کو جان سے مارنے کی کوشش کی گئی۔

اکتوبر میں اسٹیٹ یوتھ پارلیمنٹ ٹیم کے ارکان نے ملک کے پہلے نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام، جو احمدی تھے، کے مجسمے کی گردن اڑادی، گروہ نے احمدی برادری کے خلاف نعرے بھی تحریر کیے۔ ۲۲ اکتوبر کو آئی بی اے کراچی نے امریکہ میں مقیم احمدی ماہر معاشیات عاطف میاں کے ساتھ آن لائن سیمینار شدت پسندوں کے دباؤ کے باعث منسوخ کر دیا۔

مسیحی مذہبی آزادی کے کارکن مسلسل کہتے رہے کہ نجی شعبہ کی ملازمتوں میں عیسائیوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کو معمولی ملازمتوں کے علاوہ روزگار کے مواقع ملنے میں دشواریوں کا سامنا ہے۔ جبکہ ادنیٰ ملازمتوں کیلئے دیئے جانے والے بعض اشتہارات میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہوتی ہے کہ ان ملازمتوں کے لئے درخواست صرف عیسائی ہی دے سکتے ہیں۔ جنوری میں دو عیسائیوں کا مران سندھو اور نعمان اسلم نے گوجرانوالا الیکٹرک سپلائی کمپنی میں اقلیتوں کے لیے مختص نشستوں پر ملازمت کیلئے امتحان دیا اور کامیاب بھی ہو گئے مگر اسسٹنٹ مینیجر نے انھیں ملازمت دینے سے انکار کر دیا۔ سی ایل اے اے ایس نامی این جی او کی مدد سے پٹیشن پر لاہور ہائی کورٹ نے گیکپکو کے سربراہ کو عیسائیوں کو ملازمت دینے کا حکم دیا لیکن اُس نے حکم پر عملدرآمد نہیں کیا اور توہین عدالت کی پٹیشن داخل ہونے پر لاہور ہائی کورٹ نے متاثرین کی درخواست خارج کر دی۔ سال کے آخر پر مذکورہ این جی او وفاقی محتسب اعلیٰ کے پاس کیس دائر کرنے پر غور کر رہی تھی۔

مصرین کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل کے بارے خبریں معروضی انداز میں شائع اور نشر کرتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں اردو زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کے معاملات کی خبریں شائع اور نشر کرتے وقت تعصب بر احمدیوں کا تذکرہ سرے سے ہی نہیں کیا جاتا، اُن کے خلاف توہین آمیز گفتگو کی جاتی ہے یا اقلیتوں کا ذکر تحقیر آمیز لہجہ میں کیا جاتا ہے۔

ستمبر میں اردو کے ایک بڑے اخبار روزنامہ نوائے وقت نے اپنے ادارے میں ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قانون سازی کو ملکی تاریخ کا یادگار ترین دن قرار دیا جبکہ سب سے زیادہ شائع ہونے والے اخبار جنگ نے بھی اپنے خصوصی شمارے میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی جدوجہد کے بارے میں تفصیلی ادارے شائع کیا۔

انسانی حقوق، مذہبی آزادی اور مذہبی اقلیتوں کے کارکنان مسلسل اس امر کا اظہار کرتے رہے کہ سماجی خوف اور عدم برداشت کے ماحول کی وجہ سے مذہبی آزادی کے حق میں گفتگو کرتے ہوئے وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں اور اپنے الفاظ کو سنسر کرتے ہیں۔ کچھ کارکنوں کو اُن کے کام کی وجہ سے موت کی دھمکیاں بھی ملتی رہیں۔

سندھ میں ہندو کارکنوں نے کرونا وائرس کی وباء کے دوران نجی خیراتی اداروں کی جانب سے خوراک کی تقسیم کے دوران امتیازی سلوک کی شکایت کی۔ اپریل میں کراچی کے علاقے لیاری میں مقامی ذرائع کے مطابق مقامی فلاحی ادارے نے ہندو برادری سے تعلق رکھنے والے افراد کو امدادی سامان دینے سے انکار کر دیا۔

مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں، قبرستانوں اور ان کے مذہبی شعائر پر حملوں کی اطلاعات ملتی رہیں۔ جولائی میں پولیس نے خیبر پختونخوا میں گندھارا تہذیب کے دور کا سترہ سو سال پرانا بدھ مت کا مجسمہ مسمار کرنے کی وڈیو سوشل میڈیا پر عام ہونے کے بعد چار افراد کو گرفتار کر کے اُن پر نوادرات کو نقصان پہنچانے کا مقدمہ درج کر لیا۔ ۲۵ اکتوبر کو ننگر پارکر، سندھ، میں نوزدہ نور اتری تہوار کے دوران ایک ہندو مندر میں توڑ پھوٹ کی گئی۔ حملہ آوروں نے متعدد مورتیوں کو نقصان پہنچایا۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ اور گورنر عمران اسماعیل نے واقعہ پر مذمتی بیان جاری کیا۔

میں اکتوبر کو ایچ آر سی پی نے اطلاع دی کہ گذر میں نامعلوم افراد نے ایک اسماعیلی عبادت گاہ پر حملہ کیا اور عمارت پر فائرنگ کی، تاہم کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

تیس دسمبر کو خیبر پختونخوا کے ضلع کرک میں ایک مذہبی رہنماء کے آگے پر لگ بھگ ایک ہزار لوگوں نے قدیم ہندو مندر پر دھاوا بول دیا اور ہندو بزرگ شری پارمانس جی مہاراج کی درگاہ اور قریبی زیر تعمیر عمارت کو مسمار کر دیا۔ پولیس نے جے یو آئی ایف کے ۳۵ کارکنوں اور مولویوں کو گرفتار کیا۔ حکومتی اہلکاروں نے واقعہ کی مذمت کی اور بلوائیوں کا حملہ روکنے میں ناکامی پر ایک سو پولیس اہلکاروں کو معطل کرنے اور مندر کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔

سات اکتوبر کو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر میں قبلہ ایاز نے بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور مذہبی اقلیتوں سے بدسلوکی پیش نظر بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے نصب العین کا آغاز کیا۔ انھوں نے بین المذاہب ہم آہنگی کے بارے میں نیشنل لائبریری میں قائم ثقافتی مرکز میں منعقدہ سیمینار میں اظہار خیال بھی کیا۔

سیکشن چہارم: ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومتی پالیسی اور اشتراک کار

امریکی ناظم الامور، تو نصل جنرل، سفارتخانہ کے دیگر افسروں اور پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے سینئر امریکی حکام نے توہین رسالت کے قوانین میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، مذہبی اقلیتوں کے بہتر تحفظ، فرقہ وارانہ تعلقات اور مذہب کے حوالے سے باہمی احترام جیسے اہم موضوعات پر اعلیٰ سرکاری حکام، وزیر اعظم کے مشیروں، جن میں وزیر انسانی حقوق اور وزارت قانون و انصاف، وزارت داخلہ، وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، وزارت خارجہ اور وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کے حکام سے بات چیت کی۔

فروری میں انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم کے خصوصی ایپلی نے دورہ کراچی کے دوران طالب علموں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ زیادہ سے زیادہ سماجی اشتراک کا حامل معاشرہ تجارت اور خوشحالی کے زیادہ مواقع پیدا کرتا ہے۔ سامعین نے امریکہ میں مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے اُن کے خیالات کی زبردست ستائش کی۔ خطاب کے بعد خصوصی ایپلی نے کراچی یونیورسٹی میں بین المذاہب گول میز کانفرنس میں شرکت کی، جس میں مسلمان، عیسائی، ہندو، سکھ اور پارسی شریک ہوئے۔ مقامی ذرائع ابلاغ میں اس تقریب کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا۔ بعد ازاں خصوصی ایپلی نے اسلام آباد اور لاہور میں وفاقی و صوبائی حکومتی عہدیداروں اور شہری حقوق کے کارکنوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔

صوبہ سندھ اور اسلام آباد میں امریکی حکومت کے قائم کردہ ثقافتی مراکز نے مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے تقریبات کا انعقاد کیا۔ ۲۱ جنوری کو خیبر پور میں واقع مرکز نے مذہبی آزادی کے دن کے موقع پر ایک تقریب منعقد کی جس میں ۲۵ طالب علموں نے پاکستان میں آزادی کے ساتھ مذہبی رسومات کی ادائیگی

پراظہار خیال کیا۔ ۲۲ جنوری کو حیدرآباد مرکز نے مذہبی رواداری اور پُر امن برادریوں کے قیام میں تعلیمی اداروں کے کردار کے بارے میں نشست کا انعقاد کیا۔ امریکی تبادلہ پروگرام کے سابقہ شریک سنجے ماتھرائی تقریب کے نمایاں مقرر تھے۔

۲۴ اگست کو کراچی سینٹر نے "مذہبی آزادی اور ہمدردی کا فروغ کیسے ممکن ہے؟" کے عنوان سے تقریب کا انعقاد کیا، جس میں شعور فاؤنڈیشن کے سید علی حمید اور قونصلیٹ کے ایک افسر نے شرکت کی۔

علاوہ ازیں سفارتخانہ کے حکام نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، ماہرین اور صحافیوں کے ساتھ ملاقاتیں بھی کیں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور فرقہ وارانہ کشیدگی کم کرنے کے اقدامات کیلئے اعانت جاری رکھنے کا اعادہ کیا۔ انہوں نے دیگر سفارتخانوں کے نمائندوں، مذہبی کمیونٹیز کے رہنماؤں، این جی او اور مذہبی آزادی پر کام کرنے والے وکلاء کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں اور مختلف مذہب کے مابین باہمی احترام اور ترقی و کشتاپس شامل دینے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ محکمہ خارجہ کے پروگراموں میں، جن میں عوامی رابطے کی سرگرمیاں جیسا کہ مقررین اور ترقی و کشتاپس شامل ہیں، کے ذریعے مذہبی اور سماجی آزادی کے رہنماؤں کے مابین امن و امان کو فروغ دینے میں مدد دی۔ سفارتخانہ اور قونصل خانوں نے سارا سال مذہبی آزادی اصولوں اور امریکہ میں بین المذاہب مکالمے کی مثال پر مبنی مواد سوشل میڈیا پر جاری کیا۔

محکمہ خارجہ نے جولائی میں طاہر نسیم کی ہلاکت پر بیان جاری کرتے ہوئے غم و غصہ کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ طاہر نسیم کو امریکہ میں اس کے گھر سے بعض افراد جھانسنہ دیکر اپنے ساتھ لے گئے اور بھرا سے توہین مذہب کے قوانین میں پھنسا دیا۔ بیان میں حکومت پاکستان سے توہین مذہب کے قوانین میں فوری ترمیم اور عدالتی نظام میں اصلاحات اور قاتل کو قانون کے مطابق سزا دینے کو یقینی بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

احمدی ڈاکٹر طاہر نسیم کے قتل کے بعد نومبر میں بین الاقوامی مذہبی آزادی کے سفیر نے ایک سرکاری ٹوئٹ میں کہا کہ "یہ قتل کو احمدی برادری کے خلاف جاری کارروائیوں کا حصہ ہے۔ ہم حکومت پاکستان سے تمام پاکستانی شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

دود سمبر کو امریکی وزیر خارجہ نے ۱۹۹۸ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم ایکٹ کے تحت پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کا قلع قمع کرنے کی کوششوں میں مصروف "خصوصی تشویش رکھنے والا ملک" قرار دیا، اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اہم قومی مفادات کے تحت عالمی جانے والی پابندیوں میں رعایت دینے کا اعلان کیا۔

####